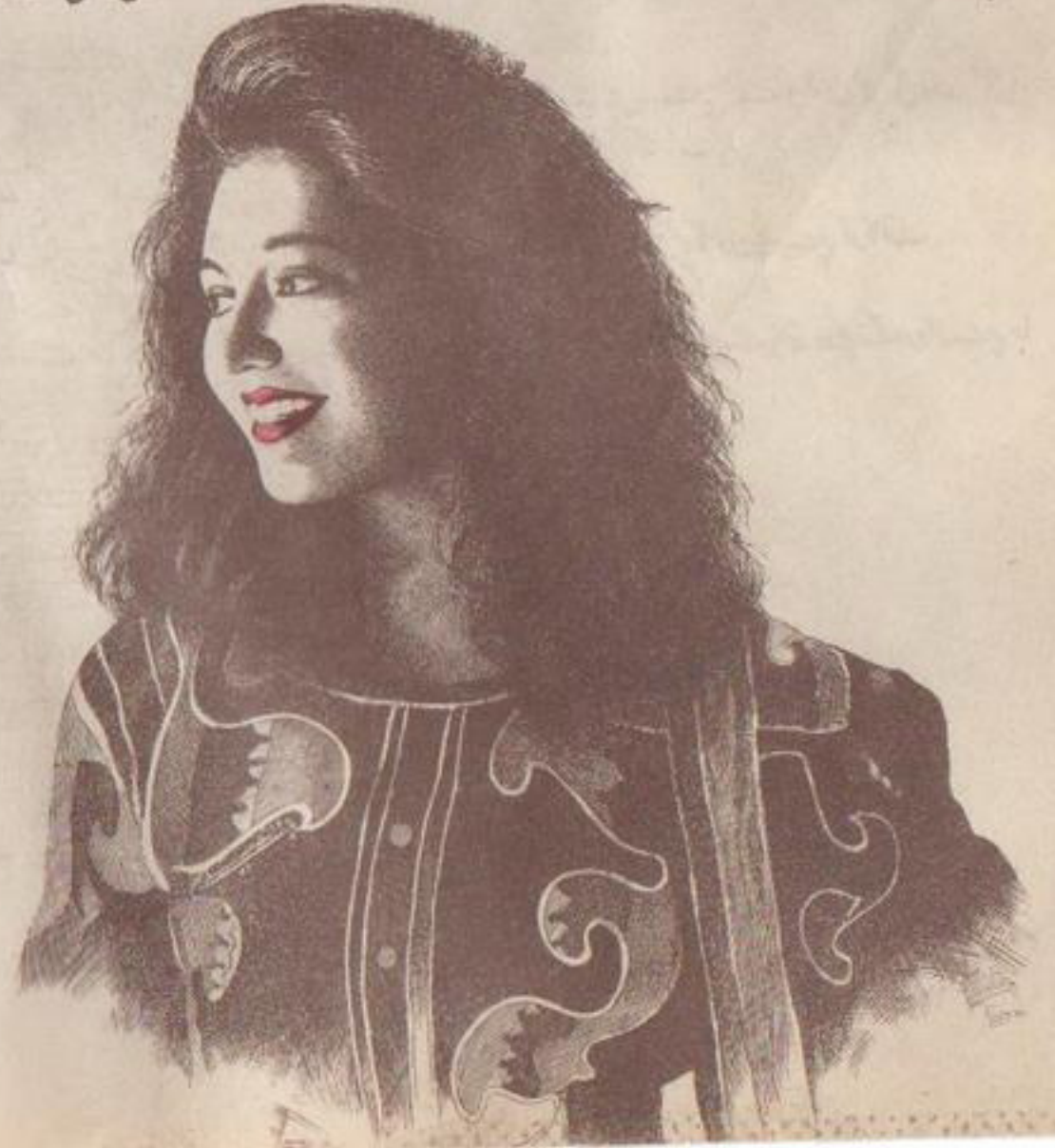


ایک کلمہ سحر

جنوری کا سرد ترین دن تھا نرم کافی دیر سے شارق کا انتظار کر رہی تھی کالج تقریباً خالی ہو چکا تھا اس سے پہلے شارق بھی اتنی دیر سے نہیں آیا تھا اس طوفانی موسم کے تیور بڑے جارحانہ لگ رہے تھے کیونکہ آسمان پہ کالے سیاہ بادل قطار در قطار جمع ہو رہے تھے۔

نرم نے آستین ہٹا کر ٹائم دیکھا چھٹی ہوئے ایک گھنٹہ ہونے کو تھا اس نے دل میں کچھ سوچا اور ارادوں کو مضبوط کرتی گیٹ کر اس کر کے باہر آگئی عین سامنے والی سڑک پر بس اور ویگن اسٹاپ تھا اوپر بے رحم بادل برسے کو تیار کھڑے تھے اسے فیصلہ کرنا ہی تھا آج دوسری بار ایسا ہوا تھا کہ شارق بھائی اسے لینے



نہیں آئے تھے پہلی بار اس وقت جب وہ نئی نئی کالج آئی تھی اور بڑی پھوپھو کی ڈھنڈھ ہو گئی تھی تو اس روز سب ادھر چلے گئے اسے لینے آنا کسی کو بھی یاد نہیں رہا تھا سو وہ فائزہ رحمن کے ساتھ اس کی گاڑی میں گھر آئی تھی تو گیٹ پر وزنی تالا پڑا ہوا تھا اسے پڑوسیوں سے حالات کا علم ہوا اور آج دوسری بار ایسا ہوا تھا کہ کوئی اسے لینے نہیں آیا تھا۔

اس کے اندر انجان سے خدشے جاگنے لگے بیگ دوسرے کندھے پر منتقل کرتے ہوئے اس نے تیز تیز قدموں سے اسٹاپ کی طرف چلنا شروع کر دیا اسی اثناء میں بارش کی موٹی موٹی بوندوں نے اس کا مزاج دریافت کرنا شروع کر دیا بس اسٹاپ تک وہ ملل بھگ چکی تھی کتابوں کی اسے فکر نہیں تھی ہاں کپڑوں کی ضرورت بھی کہ اگر اس بھیکے بھیکے حلیے میں گھر پہنچی تو جانے کیا ہو گا؟ اسے بھی زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ کبھی اس نے لوکل گاڑیوں پہ سفر نہیں کیا تھا کلاس

دن سے لے کر میڈیکل کے فاسٹل تک ڈیڑی اور بھائی اسے پک اینڈ ڈراپ کرتے رہے کیونکہ انہیں گھر کی خواتین کا یوں لوکل گاڑیوں میں دھکے کھانا پسند نہیں تھا ڈیڑی کا کتنا تھا کہ ان گاڑیوں کے ڈرائیور تعلیم سے بے بہرہ اور کم تعلیم یافتہ ہونے کے باعث عورتوں کی عزت سے آگاہ نہیں ہوتے ان ادبائش نظروں کا سامنا کرنے کی ہر کسی میں ہمت نہیں ہوتی اور ان کی عورتوں میں اعتماد تھا ہی نہیں اگر تین منٹ کے فاصلے پر بھی جانا ہوتا تو گاڑی نکالی جاتی سو آج تک ان کے خاندان کی کسی عورت نے لوکل گاڑی پر سفر نہیں کیا تھا لڑکیاں اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود اعتماد و جرات سے محروم تھیں۔

آج نرم اس رسم کو توڑنے جا رہی تھی۔ دل میں تو وہ بھی ڈر رہی تھی مگر یہ موسم آج ہر ڈر دور کرنے پر اکسارہا تھا اسٹاپ پر اکاد کا بیس ہی رک رہی تھیں وہ بھی بھری، بھری، اناڑی پنہ کے باعث وہ ان میں



چڑھنے کا سوچتی ہی رہ جاتی اور بس رخصت ہو جاتی
اس پاس پر بھی فروش رنگ رنگ کی اشیاء سجائے
بیٹھے تھے "گرم گرم سموں لے لو، چکر چھو لے
مزیدار ہیں تو آؤ کھاؤ صاحبو، کتے ہیں اصلی کتے، سیخ
کباب سیخ کباب" ملی جلی آواز اس کی بھوک کو اور
بھی چکا رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا کوئی گرم گرم چیز کھا
کر سردی کی شدت کو کم کرے مگر ڈر لگ رہا تھا کہ اگر
کسی خاندان والے نے دیکھ لیا تو۔ اسی وجہ سے وہ دل
پر پتھر رکھ گئی۔

بھلی چادر اس نے مضبوطی سے اپنے ارد گرد لپیٹ
لی اور اور آلہ کار کھاتہ میں پکڑ لیا سردی ہڈیوں میں
کھسی جا رہی تھی اس کے ساتھ اور لوگ بھی بس کا
انتظار کر رہے تھے اس روٹ پر اکا دکا ٹیکسیاں اور رکشے
چلتے تھے اور جو آ رہے تھے خالی نہیں تھے یہی حالی
سوڑکیوں کا تھا لوگ ٹھنڈے ٹھنڈے ہوئے موسم
کی شدت سے بچنے کی فکر میں تھے نرم رو دینے کو بھی
اس پاس کچھ لڑکے مسلسل معنی خیز نگاہوں میں اس
کی طرف اشارے کر رہے تھے اللہ اللہ کر کے ایک
بس آئی جو قدرے خالی تھی اس نے اس بار ہمت کر
کے بس کا ڈنڈا پکڑ لیا اور پوری مضبوطی سے زور لگا
کر اوپر چڑھی۔

اشاپ پر کھڑے لوگ بھاگ بھاگ کر اندر داخل
ہونا شروع ہو گئے نرم کو جو دھکا لگاؤ گرتے گرتے بچی
پوری بس بھری ہوئی تھی وہ ڈرائیور کی سیٹ کی پشت
پر کھڑی ہو گئی اس کے سامنے چار فیشن ایبل سی کتے
بالوں والی لڑکیاں بیٹھی تھیں مٹی مٹی سی لپ اسٹک

اور پھیلا ہوا میک اپ انہیں ورنگ و من ظاہر کر رہا
تھا ان کے پیچھے کالج دیو نیور شی کے لڑکے تھے جو صبح
اچھا خاصا تیار ہو کر پرفیوم میں نہا کر نکلے تھے مگر اب
بچکے مرے لگ رہے تھے دائیں بائیں آگے پیچھے
لوگوں کا بیکراں سمندر تھا اتنے زیادہ لوگ اتنی کم سی
جگہ میں سمائے دیکھ کر وہ انگشت بدنداں تھی کنڈیکٹر
مزید لوگوں کو "آؤ جی جگہ ہے" کا نعروں لگا کر بلاتا تھا۔

پیچھے سے اسے پھر دھکا لگا اور وہ ڈرائیور کی سیٹ کی

طرف لٹے لٹے بچی اگر وہ اپنے آپ کو سنبھال نہ لیتی
تو یقیناً "اس وقت ڈرائیور کی گود میں آرام کر رہی ہوتی
"ڈیڈی ٹھیک کہتے ہیں ان بسوں کے ڈرائیور واقعی
بہت کھٹیا ہوتے ہیں۔" وہاں سے انداز میں اس کے
منہ سے یہی جملہ نکلا۔ خدا خدا کر کے بس چلتی شروع
ہوئی ٹیپ ریکارڈر فل آواز میں بج رہا تھا۔ مگر نرم کا
دھیان اس طرف نہیں تھا وہ تو کھر والوں کے بارے
میں سوچ رہی تھی کہ اس طرح آنے کا کیا جواز پیش
کرے گی نہ جانے ڈیڈی اور بھائی کس طرح پیش
آئیں اور پھر اس حلیے میں وہ جھرجھری لے کر رہ
گئی۔ بس کی مسوم فیضا میں سگریٹ اور پرفیومز کی
ملی جلی خوشبو پھیلی ہوئی تھی اس نے سر جھکا کر بچتے
لگانے کی طرف توجہ کی جو پہلے اس طرف نہیں تھی
لگانے کے بول سمجھ میں آتے ہی اس کے رخسار
بارے حیا کے سرخ ہو گئے ڈیڈیٹ لگانے میں گلوکار اور
گلوکارہ اپنی گزری شب عروسی کے واقعات سراور لے
میں بیان کر رہے تھے اس کے بعد ایک اور گانا شروع
ہوا جس نے نرم کے ضبط کا پیانا لبریز کر دیا گلوکارہ
لمک لمک کر سوال کر رہی تھی کہ۔

"میری چڑھدی جوانی منگدی فی دستانوں کی
چاہی دا"

اس "کی چاہی دا" کے بعد وہ جو جو کہہ رہی تھی
اسے سن سن کے نرم کا دل چاہا وہ ابھی اس بس سے
اتر جائے اس نے پاس بیٹھے ایک معمر شخص سے التجا
کی کہ اس لگانے کو بند کروائے وہ بھی شریف حیا دار
آدی تھا جھٹ پاس آتے کنڈیکٹر سے کہا کہ "یہ بچی
کہہ رہی ہے گانا بند کرو۔"

"کیوں جی اس میں کیا برائی ہے۔" وہ بیوہ سا
کنڈیکٹر ایک آنکھ بند کر کے عامیانہ طریقے سے بولا
اور سیدھا اس کے پاس چلا آیا نرم ہمدک گئی۔

"دیکھو اسے بند کرو ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔" اسے
کچھ نہ کچھ کہنا ہی تھا کنڈیکٹر بھی باز آنے والا نہیں تھا
اس سے اچھی خاصی بد تمیزی کی اور پہلے سے بھی با
آواز بلند ریکارڈر بجنے لگا نرم کھولتی غصہ ضبط کرتی ایک

اشاپ پہلے ہی پیچھے اتر گئی۔
سامنے ٹریفک پولیس کا ایک اہلکار کھڑا تھا اس نے
پل بھر میں جرات مندانہ فیصلہ کر لیا اور پل بھر کے
لیے مڑ کر دیکھا بس تقریباً "آدھی خالی ہو چکی تھی اور
کھڑی تھی کنڈیکٹر صدامیں لگا رہا تھا۔

"دیکھیے وہ جو بس سامنے کھڑی ہے اس کا ڈرائیور
اور کنڈیکٹر بہت بیوہ آدمی ہیں اخلاق سوز گانے منع
کرنے کے باوجود چلا رہے ہیں انہوں نے ہمارے
سامنے بہت بد تمیزی کی آپ کیسے محافظ ہیں آپ کی
ناک تلے یہ سب ہو رہا ہے اگر آپ کی بہنوں ماؤں
کے ساتھ ایسا ہوتا تو۔" نرم جو بے حد جذباتی ہو رہی
تھی اچھی خاصی تقریر جھاڑ گئی۔

ٹریفک پولیس کی بھی سوئی غیرت ضرب کھا کر جاگی
اس نے فوراً "وائٹ لیس سیٹ پر کسی سے رابطہ کیا اور دو
آدمیوں کو لے کر بس کی طرف بھاگا۔

نرم کی ایک پریشانی ختم ہوئی تو دوسری شروع ہو گئی
گھر آچکا تھا شائق بھائی اسے لینے نکل رہے تھے اس
کا دل تیز تیز دھڑکنے لگا۔ "بھائی جان مجھے کھڑے
کھڑے کافی دیر ہو گئی تو انیلا نے مجھے لفٹ آفر کی وہ کافی
جلدی میں تھی اس لیے ایک اشاپ پیچھے اتار دیا اس
وجہ سے کپڑے بھیک گئے۔" اس نے نظریں زمین
میں گاڑے گاڑے جھوٹ بولا تو شائق نے مضبوط
دلیل سن کر بھی (جھوٹی ہی سہی) اسے ڈانٹنا ضروری
سمجھا۔

"امی کو پھر ہارٹ بین شروع ہو گیا تھا انہیں ہاسپٹل
لے گیا وہاں دیر ہو گئی شرجیل بھائی آفس سے ہی
فرانس سے آئے ہوئے ایک ڈبلیو لی کیشن کے ساتھ
چلے گئے میں تو سوچ رہا تھا کہ تم کالج میں ہی میرا انتظار
کرو گی۔" شائق اب کافی پرسکون ہو چکا تھا۔

"بھائی مجھے بادلوں سے خوف آ رہا تھا انیلا نے آفر
کی تو میں انکار نہ کر سکی" اس کی حالت معمول پر آ گئی
ای کی طبیعت کی خرابی کا سن کر اس نے کپڑے بدلے
بغیر ہی ان کے کمرے کا رخ کیا جہاں وہ محو خواب
تھیں۔

علیذا بھابھی کچن میں مصروف تھیں سنی اور نوی
کھیل رہے تھے کھانا کھائے بغیر ہی نرم بھی کھیل
اوڑھ کر لیٹ گئی بس میں سے گئے گانے پھرے اس
کے کانوں میں گونجنے لگی ان سب۔ سن بھائیوں کا ذوق
بڑا سلجھا ہوا تھا گانا چاہے کلاسیکل ہو یا نیم کلاسیکل
اس کے انتخاب میں معیار کو اولیت دی جاتی خود اس کا
کہنا تھا کہ ایسی موسیقی کا شوق ہونا چاہیے جو ہزاروں
آدمیوں کے سامنے بھی فخر سے سنی جاسکے نہ کہ بے
ہودہ بولوں کی بدولت انگلیاں کانوں میں ٹھونسنی پڑیں
ان کے ماں باپ نے ان کی کڑی تربیت کی تھی لڑکیاں
تو لڑکیاں، لڑکوں سے بھی خاصی سختیاں روا رکھی تھیں
تھیں انہیں تھرڈ کلاس لڑکی پڑھنے غیر ملکی فلمیں
دیکھنے لڑکیوں سے بلاوجہ فری ہونے اور ریا ت نوبتے
کے بعد گھر سے باہر رہنے کی اجازت نہیں تھی۔

جہاں ان پابندیوں نے شرجیل اور شارق پر مثبت
اثرات مرتب کئے تھے وہاں کچھ ناپسندیدہ عادات کو بھی
جنم دیا تھا وہ انتہائی سخت شکی اور روایتی سے مرد بن گئے
تھے انہوں نے ساری کسرتاؤں اور نرم پر نکالی تھی
نازیہ کی تو خیر شادی ہو گئی تھی مگر اب نرم مشق ستم
تھی یا پھر علیذا جو خاندان سے باہر کی تھی شروع
شروع میں تو وہ بھی ان اعلیٰ درجے کی اخلاقی پابندیوں
سے گھیرائی مگر رفتہ رفتہ نوی اور سنی کی پیدائش کے بعد
عادی ہو گئی اب مکمل طور پر وہ ان کے رنگ میں رنگ
گئی تھی۔

رات نرم پڑھنے بیٹھی تو اس کی فائل غائب تھی
اسے یاد آیا کہ وہ تو شاید بس میں ہی رہ گئی ہے کافی دیر وہ
پریشان ہوئی رہی کیونکہ فائل پر اس کا نام ایڈریس
فون نمبر کالج رول نمبر سب کچھ درج تھا بڑے نمایاں
حروف اور خوب صورت لکھائی میں۔

"کچھ نہیں ہو گا۔" سر جھٹک کر اس نے کتاب
کھول لی۔

بھابھی کے ذریعے اسے خبر ملی کی چھوٹی پھوپھو جلد
از جلد شادی کرنا چاہتی ہیں اس کے ہاؤس جاب سے
بھی پہلے کیونکہ وہ پھوپھو کے بیٹے عدیم سے منسوب

تھی جو ہونہارا جھنیر تھا۔ دوسرے روز پھوپھو خود چلی آئیں نرم کو غصہ آگیا اسے اپنی تعلیم اور مقصد سے از حد لگاؤ تھا اس کا ارادہ تھا کہ اگر پھوپھو نے زیادہ زور دیا تو وہ بھابھی کے ذریعے ڈیڈی تک اپنی بات پہنچائے گی۔

گرم گرم بر حرارت کمرے میں وہ سب ٹی وی ڈرامے سے لطف اندوز ہو رہے تھے نرم کی گود میں ڈرائی فوٹس کی پلیٹ بھی نوئی سنی دونوں اس کے دائیں بائیں جمع تھے چلغوزے کھاتی وہ بہت مگن تھی اور قدرے آسودہ بھی کہ میڈیکل کے فاسٹ ایگزامینر سے فراغت نصیب ہو چکی تھی اب اسے رزلٹ کے بعد ہاؤس جاب کے لیے گھر والوں کو منانا تھا مگر بھائی اسے جلد از جلد رخصت کرنے کی فکر میں تھے۔

”سنی ہاتھ روک کر“ اس نے چٹکوں سمیت چلغوزے کھاتے سنی کو روکا عین اسی لمحے چار نقاب پوش دندناتے اندر کھس آئے ان کے ہاتھوں میں تھامے پائل دیکھ کر سب کنگ تھے۔

”کون ہو بھی تم اور یوں گھر میں آنے کا مقصد“ شارق سے زیادہ صبر نہ ہو سکا۔

”مقصد بھی پتہ چل جائے گا۔ بھولے تم سارے گھر کی تلاشی لو اگر کوئی اور بندہ ہے تو اسے بھی ادھر لے آؤ۔“ ان میں سے ایک بولا تو بھولا نامی شخص فوراً دوسرا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا اب تین رہ گئے تھے ایک نے شرجیل اور شارق کو کور کیا ہوا تھا دوسرا بچوں بھابھی اور نرم کے سر پر کھڑا تھا تیسرا احمد ابرار اور نیلم احمد ابرار کے سامنے پستول اٹھائے ہوئے تھا سنی نوئی مارے خوف کے دیک گئے تھے نرم خود علیزا میں کھسی جا رہی تھی چوتھا شخص بھی آگیا ایک پستول پروار تینوں عورتوں کو غور سے دیکھ رہا تھا بالا خراس کی نظر نرم پر ٹک گئی نقاب کے پیچھے سے اس کی جھانکتی پر غضب آنکھیں دیکھ کر وہ دہلی سی گئی۔

”یہی ہے وہ۔“ وہ مڑ کر باقی تینوں سے مخاطب ہوا اس سے پہلے کہ وہ کوئی کارروائی کرتا شرجیل بول پڑا ”خبردار جو اسے ہاتھ لگایا۔“

”تو اسے سمجھاتے ناں یہ ہاتھ لگانے والے کام ہی نہ کرتی۔“ وہ طنزیہ سفاکانہ انداز میں ہنس۔ اس نے جانے باتوں کو کیا اشارہ کیا کہ انہوں نے سیکندوں میں کلوروفام میں بھیکے رومال نکالے پہلے مردوں کو قابو کیا گیا پھر امی اور بھابھی کی باری آئی سنی نوئی مارے دہشت کے پہلے ہی بے ہوش ہو چکے تھے ہاں ایک نرم ہی تھی جس کے اعصاب شاید کافی مضبوط تھے۔

”اس کے لیے کیا حکم ہے۔“ وہ تینوں فارغ ہو کر بولے اور اس کی طرف اشارہ کیا۔

”اسے بے ہوش مت کرنا۔“ ساتھ ہی آگے بڑھ کر چوتھے نے اس کا منہ دبا لیا اور اسے کندھے پر ڈال لیا ”چھوڑو مجھے۔ چھوڑو مجھے۔“ گاڑی تک پہنچتے پہنچتے اس نے آزادی کی بہت کوششیں کی جوں ہی اسے گاڑی میں ڈالا گیا نرم نے ناخنوں کا استعمال کرتے ہوئے پکڑنے والے کو نوچ ڈالا ایک زوردار تھپڑ مارتے ہی اس کی ساری ہمداری رنچو چکر ہو گئی۔

”مجھے زیادتی پر مجبور مت کرو۔“ اس کے دونوں ہاتھوں کو سختی سے جکڑتے ہوئے وہ شقی القلب آدمی بولا تو اس کی جاں خزاں رسیدہ پتے کی طرح کانپ کانپ گئی۔

یہ سزا ایک خوب صورت سے جینگل کے سامنے تمام ہوا مگر نرم کو ہوش کہاں تھا جو وہ جائزہ لیتی اسے بے رحمی سے نیچے اتار آگیا باقی تینوں جانے کہاں غائب ہو گئے تھے چوتھا نقاب پوش اسے کمرے میں لے آیا اور نقاب اتار دیا نرم کو یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس آدمی کی اس سے کیا دشمنی ہے اس نے تو اسے دیکھا ہی پہلی بار تھا شکل و صورت اور لباس سے تو وہ کسی اعلیٰ گھرانے کا مالک لگ رہا تھا۔

”دیکھیں پلیز مجھے چھوڑ دیں۔“ وہ رو پڑی۔

”چھوڑ دیں گے اتنی جلدی کیا ہے صرف ایک رات کی بات ہے صرف ایک رات کی نہیں بھی ایک رات جیل میں رہا تھا آپ کو بھی ایک رات ادھر رکھوں گا۔

کچھ نہ گنواتے ہوئے بھی لگے گا کہ جیسے سب کچھ

گنوا بیٹھی ہیں میں بڑا انصاف پسند ہوں اب مجھے روکنے کی میری راہ میں آنے کی کوشش مت کیجئے گا کیونکہ میں عام سامرو نہیں بننا چاہتا“ اس کے لمبے میں جانے کیسی خوفناک حقیقت پوشیدہ تھی کہ وہ تن بدن میں چوٹیاں سی ریگتی محسوس کرنے لگی۔

”صبح تک آرام کریں بائے بائے“ وہ باہر سے دروازہ لاک کر گیا تو نرم دروازہ پٹختی ہی رہ گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥

باکر احمد ابرار کے گیٹ کے سامنے گٹھڑی سی پڑی دیکھ کر چونک گیا غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تو نازک سی لڑکی تھی جو بے ہوش معلوم ہو رہی تھی اس کے بدحواسی سے شور مچانے پر تمام کالونی اکٹھی ہو گئی جس کو نہیں معلوم تھا اسے بھی خبر ہو گئی تھی عورتیں مرد آنکھوں میں ایک دوسرے سے سوال کر رہے تھے کہ یہ کب ہوا؟

اندر اس کے گھر میں موت کا سناٹا طاری تھا طوفان ابھی گزرا نہیں تھا ”بتاؤ تم نے کیا کیا تھا جو وہ تمہیں یوں لے گئے یقیناً“ وہ اچھے آدمی نہیں ہوں گے بتاؤ کیوں ہماری عزت نیلام کی۔“ شارق اور شرجیل نے اسے ”چھوڑو ڈالا ڈیڈی اسے مگر مگر دیکھتے رہے امی اور بھابھی کی نظروں میں کتنی بے یقینی تھی جیسے وہ مجرم ہے۔

نرم احمد کا سارا حوصلہ جواب دے گیا وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ”میں بے گناہ ہوں میں نے کچھ نہیں کیا میں تو ان کمینوں کو جانتی تھی نہیں۔“ وہ واقعی اپنی دانست میں ٹھیک کہہ رہی تھی مگر کس کس کو باور کراتی یہی تو مشکل تھی اسے نہیں معلوم تھے سورج نکلے اور غروب ہوئے کالونی سمیت تمام خاندان میں اس کے بارے میں خبریں گردش کر رہی تھیں بالا خرچ چھوٹی پھوپھو نے رشتہ توڑ دیا اسے کوئی شک نہیں لگا ان حالات میں یہی ہونا تھا وہ کیسے آنکھوں دیکھی کھسی نگل لیتیں ایک لڑکی جو رات بھر جرائم پیشہ لوگوں کے قبضے میں رہی ہو اسے کون ہو بنانا اسی دوران اس کا رزلٹ آؤٹ ہوا۔ تو ڈیڈی نے

اسے بلایا۔

”میں چاہتا ہوں کہ تم ہاؤس جاب مکمل کر کے اپنے پیروں پر کھڑی ہو جاؤ کیونکہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہو چکا ہے اس کے بعد یہ توقع رکھنا کہ بھائی تمہیں بٹھا کر کھلائیں گے فضول ہے۔“ وہ جو یہ سمجھ رہی تھی کہ ڈیڈی اس کی محبت میں ایسا کر رہے ہیں ان کے الفاظ سن کر بجھ سی گئی وہ تو ایسا اس لیے چاہ رہے تھے کہ وہ ان پہ بوجھ نہ بنی رہے اپنا کمائے نرم نے بہت کوشش کی سماعتوں کو پتھر کر کے مگر ایسا نہ ہو سکا اس کی شہرت ہر جگہ پہنچی ہوئی تھی سا بھی ڈاکٹر نے مفت کا مال سمجھ کر اسے ہتھیانے کی کوشش کی مگر نرم نے کسی کو منہ نہ لگایا اس لیے ڈاکٹر زیدی نے ہاؤس جاب مکمل ہوتے ہی اس کی ڈیوٹی ایک دور دراز کے گاؤں میں لگا دی جہاں کوئی عطیہ ڈاکٹر بھانگنا بھی پسند نہیں کرتا تھا نرم نے سکھ کا سانس لیا اس طرح کم از کم وہ گھر والوں کی طنزیہ نگاہوں سے بچی رہتی اس کی کو لیکز وہیں شہوں میں اچھے اچھے ہسپتالز میں تھیں ایک اسے ہی سزا دی گئی تھی کیونکہ وہ ڈاکٹر زیدی کی کچھ داریاتوں میں جو نہیں آتی تھی۔

♥ ♥ ♥ ♥

ہسپتال تو ٹھیک ٹھاک تھا مگر عدم توجہ اور گندگی کے باعث کھنڈر لگتا تھا اس کی مدد کے لیے ایک عدد کمپوڈر اور تین عدد نرمیں پہلے سے موجود تھیں جن کا تعلق اسی علاقے سے تھا نرم نے پہلے روز کھوم پھر کر سارے ہسپتال کا جائزہ لیا جو گرد جالوں اور کوڑے کرکٹ سے اٹا ہوا تھا سارا عملہ گھر بیٹھے کر تنخواہ کھا رہا تھا ڈاکٹر کی آمد کا سنتے ہی کمپوڈر اقبال عمرین صوفیہ اور ساجدہ بھائی بھائی آئیں ان کا خیال تھا کہ یہ ڈاکٹر بھی پہلی کی طرح ہو کی چند روز میں بھانگنے والی اس لیے سب مطمئن تھے۔

دوسرے روز ہی نرم نے جمعہ رانی کو صفائی پر لگایا بلکہ اپنی جیب سے پیسے دے کر دو اضافی صفائی کرنے والے بلائے اس کی درخواست پر ڈاکٹر زیدی نے مہربانی کرتے ہوئے رنگ و روغن کا کام بھی کروا دیا ہفتہ

پندرہ روز میں ہاسپٹل واقعی ہاسپٹل لگنے لگا گاؤں کے باسی حیران تھے کہ ایسا کون سا دنگ ڈاکٹر آیا ہے جس نے آتے ہی برسوں پرانا ماحول یکسر ختم کر دیا ڈاکٹر کی جگہ ایک نازک کامنی گندی رنگت والی لڑکی کودیکھ کر ان کی حیرانگی بجا تھی کہاں ڈاکٹر نما جس کے چہرے پہ بیزاری چھائی رہتی تین دن اس نے مارے بندھے یہاں گزارے تھے پھر ڈاکٹر صائمہ آئی اس نے چھ ماہ گزارے اور اب یہ نئی ڈاکٹر آئی تھی جو دیکھنے میں کس طرح بھی ڈاکٹر معلوم نہیں ہوتی تھی چہرے پہ پھیلی نرم مسکراہٹ اور سبک نقوش نے گاؤں کے باسیوں کا حوصلہ بڑھا دیا۔

چھ روز مریضوں کی آمدورفت شروع ہو گئی وہ اس کے اخلاق اور نرم دلی سے از حد متاثر ہوئے دو تین ہفتے گاؤں کی طرف سے ہی اس کا کھانا آتا رہا چند روز نرم چپ رہی پھر ایک روز بڑی سہولت سے روک دیا یہ غریب لوگ خود اپنا پیٹ کاٹ کر اس کے لیے مرغین گھانوں کا انتظام کرتے اسے گوارا نہیں تھا ہاسپٹل میں جہاں اس کی رپائش تھی وہاں بچن اور پکانے والی کی سہولت موجود تھی زینہ اسی گاؤں کی رہنے والی تھی اب وہی اس کے لیے کھانا بناتی صبح کا ناشتا البتہ وہ خود تیار کرتی۔

اس دوران حویلی سے اسے دو تین بلاوے آچکے تھے جسے مصروفیت کے باعث وہ صرف نظر کر گئی تھی شمرین صوفیہ اور ساجدہ نے کہا بھی کہ یہ سب بکھیرے بعد میں ہوتے رہیں گے پہلے حویلی چلیں ایسا نہ ہو کہ وہاں کے مکین ناراض ہو جائیں نرم نے انہیں کھری کھری سنائیں وہ چپ ہو گئیں مگر اندر ہی اندر یہ بات پھیل گئی کہ ”نئی ڈاکٹر بڑی مغرور ہے حویلی والوں کو خاطر میں ہی نہیں لارہی ہے جس روز چوہدری طارق سے سامنا ہوا ہوش ٹھکانے آجائیں گے“ وہ خود تینوں حویلی جانے کے لیے بڑی بے قرار تھیں جہاں چوہدری طارق رہتا تھا کافی روز سے اس کا سامنا نہیں ہوا تھا اب حویلی سے دعوت کا بلاوا آیا تھا تو وہ کافی خوش ہوئیں مگر نرم نے ساری خوشیوں کو پالی کر دیا

کسی طرح جا کے ہی نہیں دے رہی تھی وہ لوگ اندر سے خوفزدہ بھی تھیں کہ یہ بات چوہدری طارق کو ضرور بری لگے گی اور ہو سکتا ہے کہ وہ ہاسپٹل ہی آجائے اس سے پہلے ہاسپٹل میں آنے والے ہر نئے ڈاکٹر کی حویلی میں دعوت کی جاتی تھی اور وہ اسے اپنی خوش قسمتی تصور کرتا تھا۔

”بڑی اماں یہ نئی ڈاکٹر اتنی اوسھی اور بھاری کیوں پڑ رہی ہے آج جو بھی بارو سایا گیا ہے اگر آج بھی نہ آئی تو بہت برا ہو گا۔“ طارق شارٹ مکن صاف کرتے ہوئے بڑبڑایا تو نسرین بیگم نے اسے ناراض نگاہوں سے گھورا۔

”میرے سب ملنے جلنے والے کہہ رہے ہیں کہ وہ تو بڑی کمال چیز ہے آتے ہی ہسپتال کو بدل دیا بہت سارے مریض اس کے پاس جانے لگے ہیں بڑی مصروف لگتی ہے اس لیے نہیں آ رہی ہے مگر آج ضرور آئے گی وسایا گاڑی لے کر گیا ہے میں نے اسے کہا کہ اگر تین گھنٹے بھی انتظار کرنا پڑے تو کرنا مگر اسے لے کر آتا مگر جی برامت کرو۔“ انہوں نے رمان سے بولتے کو سمجھایا جو بڑا اکھڑا اور خود سر ساق تھا۔

”چلو دیکھ لیتے ہیں آپ کی ڈاکٹر کو بھی“ وہ طنزیہ بولا اور گین اٹھائے نکل گیا۔

شمرین صوفیہ اور ساجدہ تینوں اپنے اپنے گھروں سے تیار ہو کر آگئی تھیں اور ان کی تیاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی ریشمی تیز رنگ کے کپڑے گہرا میک اپ بنی ہوئی بھنویں چہرے پہ ہلچل کریم کے تازہ نازہ کوٹ اور بالوں کے عجیب سے اسٹائل ان کے برعکس نرم آسمانی رنگ کے سادہ سے کپڑوں میں ملبوس بغیر کسی میک اپ کے تھی اسے یوں دیکھ کر تینوں نے گویا سر پیٹ لیا۔

”آپ یوں جائیں گی۔“ ساجدہ حیران ہوئی۔

”ہاں کیوں میں یوں نہیں جاسکتی ویسے بھی یہ گاؤں کی ایک دعوت ہے شادی کی نہیں جو میں اس قدر تیار ہو کر جاؤں شادی کی بھی ہو تو میں زیادہ فکر مند نہیں ہوتی کیونکہ سادگی مجھے پسند ہے۔“ وہ آسمانی رنگ کا

دوپٹہ اوڑھتے ہوئے بولی۔

دل ہی دل میں ساجدہ مل کھا کر رہ گئی ”ہو نہ ایسی بھی کیا سادگی کہ نرا منہ دھلا دھلایا ہو نہ کوئی لب اسٹک نہ مسکارا نہ آئی شیڈ نہ بلش آن ہم تو باز آئے ایسی سادگی سے وہاں چوہدری طارق بھی تو ہو گا۔“ اس کا تصور کرتے ہی ساجدہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ چل چلی گئی۔

اس شاندار سی حویلی میں سب سے پہلے ایک معمر عورت نے اس کا استقبال کیا جو بڑی اماں کے نام سے پکاری جاتی تھی پھر ان کی تین بیویاں آئیں جو کافی اخلاق سے ملیں حویلی کے مکینوں کے بارے میں جو روایتی سا تصور ان تینوں کی باتوں نے اس کے ذہن میں بٹھایا تھا وہ چوہدری اشفاق رزاق اور نواز سے ملنے ہی مٹ گیا وہ کہیں سے بھی ظالم جاگیردار نہیں لگ رہے تھے ان کی اولاد بھی سلجھی ہوئی تعلیم یافتہ تھی۔

نرم سے مل کر وہ سب کافی خوش ہوئے کتنی مختلف اور باوقار سی لڑکی تھی ڈاکٹر کے چہرے پہ جو ایک پکاپن ہوتا ہے وہ اس کے چہرے پہ ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتا تھا ایک عجیب سی ملاحت و نرمی اور گداز نے انہیں متاثر کیا بزرگ تو بزرگ نوجوان اسل بھی اس کے خیالات جان کر کافی متاثر لگ رہی تھی شمرین صوفیہ اور ساجدہ کو کسی نے زیادہ لفٹ نہیں کرائی بلکہ پاور نے شرارت سے طارق کو پیغام بھیجا کہ ”تمہارے خاص الخاص مہمان آئے ہیں۔“

”آگئی ہے وہ مغرور ڈاکٹر۔“ وہ تیز تیز بولتا اور ہری آ رہا تھا پھر جہاں اسے نرم کو دیکھ کر جھٹکا لگا وہاں نرم کے سر پر گویا ہفت آسمان ٹوٹ پڑے اس چہرے کو تو وہ لاکھوں میں بھی شناخت کر سکتی تھی یہ وہی تو تھا جس نے کہا تھا کہ کچھ نہ گنواتے ہوئے بھی سب کچھ گنوا بیٹھو گی اور واقعی اس کا کما حقہ نکلا اس کی عزت و وقار خودی انا سب قصیدار بن چکے تھے گھر والوں کی نگاہ میں وہ گر چکی تھی اپنی نگاہوں میں وہ مجرم ٹھہری تھی اور وہ کتنے مزے سے دندنا تا پھر رہا تھا پہلے سے بھی بڑھ کر بڑا اور دلیر اس سے بچ کر سکون کی پناہ میں وہ یہاں

ایک خطبے سے لڑکے کے کہانی سے اسلیم قریشی کا ایک ایسا ناول جو خواتین ڈائجسٹ

واحد خطبے سے لڑکے کا ایک ایسا ناول جو خواتین ڈائجسٹ

میں قسط وار چھپا اور بے حد مقبول ہوا آج بھی ہر لڑکی ہر خاتون یہ ناول پڑھنا چاہتی ہے

اب کتابی صورت میں چھپ کر تیار ہے

مجلد، خوبصورت سرورق، قیمت 300 روپے

خواتین ڈائجسٹ

اردو بازار کراچی

ملنے کا پتہ

• مکتبہ عمران ڈائجسٹ اردو بازار کراچی

• لاہور اکیڈمی، 205 سرگودھا روڈ

بیرون اردو بازار، لاہور

آئی تھی ہاسپٹل میں جان ماری کی تھی اور وہ یہاں بھی پہنچ گیا اب کیا ہو گا کیا یہ شخص پھر سے تو وہ سلسلہ شروع نہیں کرے گا؟ وہ بے جان سی ہو گئی چہرہ ایک دم زرد ہو گیا۔

”پلیز مجھے واپس بھجوادیں میری طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“ اس کی گردن کندھوں پر ڈھلک گئی۔

”اماں جی جو طارق کو اس کے نامناسب لہجے پر ڈانٹنے کا پروگرام بنا رہی تھیں نرمیم کی حالت دیکھ کر بھول بھال گئیں ساجدہ نے اس کے ہاتھ سہلانے شروع کر دیئے مگر اسے گلو کوڑ پلانے لگی طارق لحظہ بہ لحظہ اس کی بگڑتی حالت کا جائزہ لے رہا تھا وہ تو اپنے سینے سے بھول بھال چکا تھا ہاں کبھی کبھی حوالات میں گزارا رات یاد آتی تو وہ بھی ذہن کی اسکرین پہ چلی آتی۔

زیادہ پرانی بات نہیں تھی صرف ساڑھے تین سال پہلے ایک معمولی سی بات پہ اس کا جھگڑا اپنے باپ چودھری نواز سے ہوا تھا انہوں نے کہا تھا کہ ایک دن اپنا کما کر کھانا پھر مجھے آنکھیں دکھانا غصے اور جوانی کے جوش میں وہ گھری چھوڑ آیا شہر آکر باپ کی باتیں ذہن میں گونجتیں تو اس کا چہرہ لہو رنگ ہو جانا اپنی ڈگریاں لے کر وہ دفاتر میں در بدر پھرا مگر کہیں بھی نوکری نہ ملی تنگ آکر اس نے بس ڈرائیور بننا ہی قبول کر لیا آج بس چلاتے اسے تیسرا روز تھا اسٹیرنگ پہ بازو رکھے وہ کسی اور جہان میں پہنچا ہوا تھا چودھریوں کا خون ہوں بے مول ہو رہا تھا اس احساس نے اس کے اندر آگ سی بھردی پیچھے کھڑی لڑکی کا فقر اسے تپا گیا۔

یہ بس ڈرائیور ہوتے ہی گھٹیا ہیں۔“ وہ کنڈیکٹر سے بس میں چلنے والے میوزک پہ جھگڑ رہی تھی وہ خاموش تماشائی بنا ہوا تھا یہ کیسٹ بس میں چلنے والا میوزک خالصتاً ”کنڈیکٹر کی پسند تھا اس میں اس کا کوئی حصہ نہیں تھا اس کا دھیان اس طرف تھا ہی نہیں جو وہ توجہ دیتا لڑکی اتر گئی ٹریفک پولیس کا سیاہی اندر آیا پلک بھٹکتے میں اسے اور کنڈیکٹر کو پکڑ لیا گیا انچارج صاحب کہیں گئے ہوئے تھے دونوں کو حوالات میں پہنچا دیا گیا بس بھی تھانے کے احاطے میں تھی

رات بھر طارق بھوکے شیر کی طرح بند لاک اپ میں ٹھنکتا رہا چودھری نواز کا بیٹا جس کے سامنے لوگ ہاتھ باندھے حکم کے منتظر رہتے وہ یوں بے یار و مددگار ایک عام آدمی کی طرح یہاں تھا صبح انچارج آیا اتفاق سے وہ چوہدریوں کا جاننے والا نکلا اس نے معذرتیں کیں اور اسے چھوڑ دیا بس کی چابی اور دیگر کاغذات بھی اس کے حوالے کیے گئے۔

طارق کا کچھ سلمان بس میں تھا وہ نکالتے نکالتے اس کی نگاہ ایک کالی فائل پر پڑی ”نرمیم احمد“ اس نے زیر لب پڑھا اس کے سوا یہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی سیٹ کے پیچھے وہی کھڑی تھی پھر ہاتھ میں تھما سفید اور آل اس کے خدشے سچ ثابت کرنے کے لیے کافی تھا کیونکہ یہ فائل بتا رہی تھی کہ وہ لڑکی میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہے پھر وہ سوار بھی میڈیکل کالج کے سامنے والی سڑک سے ہوئی تھی طارق نے اس کی ہلکی سی جھلک دیکھی تھی بس وہی کافی تھا سب سے پہلے وہ گاؤں پہنچا باپ سے معافی مانگی کیونکہ ان کے مشاہدات غلط نہیں تھے پھر اس نے نرمیم احمد کو سبق سکھانے کے لیے گھر سے اٹھوایا اور اسے اپنے بنگلے پہ لے گیا وہ اپنی توہین کا بدلہ اس سے لینا چاہتا تھا یہ احساس اس قدر حاوی تھا کہ نرمیم کا حسن بھی اسے متوجہ نہ کر سکا ورنہ وہ یقیناً ”کچھ اور بھی کر گزرتا پھر قدرت ہی ایسا نہیں چاہتی تھی وہ اس کا دروازہ لاک کر کے باہر آ گیا۔

صبح ہوتے ہی اس کے کارندے اسے ایڈووکیٹ احمد ابرار کے گیٹ پر پھینک آئے اس کا انتقام پورا ہو چکا تھا وہ شانت ہو گیا ایک معمولی سی لڑکی نے جو جرات دکھائی اس کا پھل بھی پایا اب وہ مطمئن تھا ہاں کبھی کبھی ایک روتی ہاتھ جوڑتی لڑکی تصور میں آتی تو وہ جھٹک دیتا آج اسے یہاں دیکھ کر وہ بھی ڈاکٹر کے روپ میں وہ کافی حیران ہوا جو کچھ طارق نے اس کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد اس کا ڈاکٹر بننا حیرت انگیز امر ہی تھا کافی باہمت لڑکی تھی اس کرائسس سے نکل جو آتی تھی۔

”پلیز مجھے گھر بھجوادیں۔“ اس کی طبیعت سنبھل

چکی تھی سامنے بیٹھے طارق سے اس نے نگاہ نہیں ملانی۔

”بیٹا ابھی کیسے جا سکتی ہو کھانے کے بعد اجازت ملے گی۔“ نرسین بیگم محبت سے بولیں تو باقیوں نے بھی تائید کی ساجدہ صوفیہ اور نرسین تینوں طارق سے باتیں کر رہی تھیں کھانے سے بھی انہوں نے انصاف کیا اس نے تو بس رسم ہی پوری کی اور جانے کی اجازت طلب کی نرسین نے طارق کی شخصیت کا پہلا تاثر مٹانے کے لیے یہ کیا کہ اسے کہا کہ ان چاروں کو چھوڑ آئے جہاں وہ تینوں خوش ہوئیں۔ نرمیم ہدک کی۔

”نہیں نہیں میں خود چلی جاؤں گی۔“ مگر اس کے انکار کو اہمیت نہیں دی کی طارق گاڑی نکالنے لگا تھا وہ سب انہیں بڑے گیٹ تک چھوڑنے آئے نہ جانے نرمیم میں کیسی کشش تھی جس نے سب کو اسیر کر لیا تھا ڈرتے ڈرتے وہ بیٹھ ہی گئی ساجدہ اگلی سیٹ پہ طارق کے ساتھ بیٹھی تھی نرسین اور صوفیہ کا غصے میں آنا لازمی تھا وہ دونوں سرگوشیوں میں دل کے پچھولے پھوڑ رہی تھیں نرمیم اندر ہی اندر ڈر رہی تھی اس نے پہلے صوفیہ اور ساجدہ کو اتارا آخر میں نرمیم کا نمبر تھا۔

”پلیز مجھے پہلے اتاریے گا۔“ اس نے گاڑی موڑتے طارق سے سرو سے لہجے میں کہا اندھیرے میں اس کے تاثرات دیکھنے کی اس نے ناکام کوشش کی۔ پھر اس نے پہلے نرمیم کو ہی اتارا جب وہ اترتی تو طارق نرسین کو بیٹھنے کی ہدایت کر کے اس کے پیچھے آیا۔

”پلیز جو ہو اسے بھول جائیے گا۔“ طارق اور یہ لہجہ وہ خود کافی حیران ہوا نرمیم تالا کھول کر اس کی بات پہ چنداں دھیان دیئے بغیر اندر غائب ہو گئی اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ جملہ طارق کی زبان سے نکلا ہے اسی شقی القلب سفاک آدمی کی زبان سے جو اسے بدنامیوں کے اندھے غار میں پھینک کر مطمئن تھا۔

”تھیک ہوا جو بھی ہوا مگر اب تمہیں نرمیم احمد اپنے ساتھ وہ سلوک ہر گز نہیں کرنے دے گی۔“ وہ اب اس وقتی کیفیت سے نکل آئی تھی جو طارق کے اچانک سامنے آنے کے باعث پیدا ہوئی تھی ڈاکٹر زیدی کے رویے کے بعد اس نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ اسے اب

ڈرڈر کے نہیں جینا ہے اگر ایسا کرے گی تو سب اسے حقیر کیڑے کوڑے کی طرح کچلتے گزر جائیں گے ”جو ہوا دیکھا جائے گا خدا میرے ساتھ ہے۔“ اوپر والے کے سپرد سارا معاملہ چھوڑ کر وہ مطمئن سی ہو کر سو گئی۔

ہاسپٹل کے برآمدے میں شور سا ہو رہا تھا نرمیم معاملہ جاننے کو باہر نکلی طارق کو یاد اور خاور اس کے پچھاڑا دوامیں بائیں سے تھامتے ہوئے اندر لا رہے تھے اس کے چہرے پہ جھنجھلاہٹ سی تھی جیسے اسے یہ سب پسند نہیں آ رہا ہو اس کے بازو پہ کپڑا بھی بندھا ہوا تھا۔ ”ڈاکٹر نرمیم طارق اسپورٹس بائیک سے کر کر بازو کی ہڈی زخمی کر بیٹھا ہے گوشت کو بھی نقصان پہنچا ہے۔“ یاور نے جلدی جلدی بتایا طارق کے تاثرات سے ہر گز نہیں لگ رہا تھا کہ وہ تکلیف میں ہے۔

نرمیم نے جلدی جلدی پٹی نما کپڑا اتار کے بازو کا جائزہ لیا یہ کیس اس کے بس سے باہر کا تھا کیونکہ یہاں اتنی سہولیات ہی نہیں تھیں اس نے کہا۔

”نہیں آپ شہر لے جائیں تاخیر مت کریں ان کی حالت بگڑ سکتی ہے۔“ اس نے اپنی سی کوشش کر کے اس کی تکلیف کم کرنی چاہی تھی جب ہی تو شہر پہنچنے تک وہ آرام سے رہا۔

صوفیہ اور ساجدہ طارق کے بارے میں ہی گفتگو کر رہی تھیں ”بوجی دار ہے چھوٹا چوہدری“ تکلیف کا ذرا بھی اظہار نہیں کیا یاد ہے جب انہیں ہنڈی میں گولی لگی تھی اور انہوں نے ڈاکٹرز سے کہا تھا کہ مجھے بے ہوش کے لیے بغیر آپریشن کریں۔“

”ہاں یاد ہے بالکل مرد ہو تو چھوٹے چوہدری جیسا۔“ صوفیہ بولی نرمیم پاس ہی تھی اب وہ چاروں فارغ تھیں کسی مریض کے بھی آنے کا امکان نہیں تھا اس لیے کہیں بائگی چارہ تھیں وہ نہ چاہتے ہوئے بھی دلچسپی لینے پہ مجبور تھی تاکہ طارق کی شخصیت کے بارے میں جان سکے اور اپنے آپ کو بچا سکے آج جب اس کے کزن اسے لائے تھے تو اس کا جی چاہا تھا کہ اس ہاسپٹل کے سارے دروازے بند کر دے مگر اس کی مسیحا صفت طبیعت جیت گئی تھی دشمنوں کے ساتھ بھی ایسا کرنے کی اجازت نہیں تھی پھر وہ تو ڈاکٹر تھی

انسانیت کی خیر خواہ اس نے تمام خیالات کو جھٹک کر طارق کو دیکھا واقعی اس کی ہڈی کو کافی نقصان پہنچا تھا ذرا سی بھی بے احتیاطی اس کے بازو کو ناکارہ کر سکتی تھی یہی اس نے آپس میں طارق کو شہر لے جانے کے لیے کہا تھا اس کا ضمیر مطمئن تھا کہ اس نے اپنے پیشے سے غداری نہیں کی فرض جیت گیا تھا جذبات ہار گئے تھے۔

اس نے ان تینوں نرسوں کی بات سے اندازہ لگایا تھا کہ چھوٹا چوہدری کروار کا عیاش اور دل پھینک شخص تھا اس نے مختلف اوقات میں ان تینوں کی زبان سے یہی سنا تھا کہ چھوٹا چوہدری اسے چاہتا ہے تینوں خوش قسمی کا شکار تھیں کافی دیر سے طارق کی مدح سرائی سن سن کر وہ بور ہو رہی تھی اٹھ کر کمرے میں چلی آئی۔

”یہ تو بڑی سڑی ہوئی ہے پہلے والی ڈاکٹر تو بڑی اچھی تھیں صرف چوہدری کی وجہ سے نکلی ہوئی تھیں نکلتی بھی کیوں ناں ایسا رعب و اب یہ شان خوبرو مردانگی انہوں نے شہر میں کہاں دیکھی ہوگی ایسے ہی تو سارے پنڈ کی لڑکیاں چوہدری پر نہیں مرنی ہیں شہر تو صاف گنتی ہے کہ اگر میرا بیٹا طارق سے نہ ہوا تو خود کشی کر لوں گی پاگل ہے بالکل بھلا اس کی شادی طارق سے کیسے ہو سکتی ہے میں کس لیے ہوں مجھے یقین ہے میرے علاوہ وہ کسی سے شادی نہیں کریں گے۔“

صوفیہ ناز سے بولی تو ساجدہ کو جلال آگیا۔

”اے اس گمان میں نہ رہنا چوہدری کا دل کہیں اور ہے۔“ اتنے میں ہمرین بھی آگئی اور بچ پچاؤ کر آیا وہ خود خوش قسمی کا شکار تھی۔

پھر طارق ڈسچارج ہو کر گھر آگیا ہسپتال کا تمام عملہ اسے حویلی دیکھنے گیا سوائے نریم کے دس پندرہ روز گزرے بڑی چوہدری نے بلاوا بھیجا اسے جانتا ہی بڑا وہ بندھی بندھی سی بیٹھی ہوئی تھی آگے کھانے کے ڈھیروں اشیاء پڑی ہوئی تھیں اس نے چکھا تک نہیں۔

بڑی اماں نے طارق کو آواز دی۔

”ڈاکٹر گھر آئی بیٹھی ہے بازو کا چیک اپ ہی

کروالو۔“ انہوں نے باقاعدہ مردان خانے سے اس کو بلایا جہاں اس کے شہری دوست اس کی مزاج پر سی کرنے آئے ہوئے تھے۔

”بڑی اماں کیا بات ہے آپ مجھے چین سے کیوں نہیں رہنے دیتیں۔“ وہ کافی غصے میں تھا نریم کو بھی دیکھ چکا تھا۔

”بیٹا تم ڈاکٹر کے پاس جانے کا نام نہیں لیتے اس نے ہر ہفتے آنے کا کہا خود تین بار گھر آیا مگر تم ارنے بھٹے بنے رہے اب میری مانو تو نریم دھمی کو بازو دکھاؤ ڈاکٹر ہے تاکہ پتہ تو چلے کچھ بہتری ہوئی کہ نہیں۔“ وہ لجاجت سے بولیں۔

”بڑی اماں پلیز آپ مجھے یوں ہر کسی کے سامنے بیمار شومت کریں میں ٹھیک ہوں اگر اتنی ہی فکر ہے تو پلاسٹران سے کھلو اوں گا اب خوش“ وہ چھپاک سے دروازہ کھول کر اندر غائب ہو گیا نریم کو کافی غصہ آیا اپنی توہین سی محسوس ہوئی مگر اس کی نظر اندازی اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ اپنی بے عزتی بھول چکا ہے۔

♥ ♥ ♥ ♥

”ڈاکٹر نریم چوہدری طارق آئے ہیں۔“ شمرین بھاگتی ہوئی آئی تھی جس کے باعث اس کا سانس پھولا ہوا تھا۔

”کسی صوبے کے گورنر یا وزیر اعظم صاحب تو نہیں آئے ہیں جو تم یوں بدحواس ہو رہی ہو۔“ نریم نے اسے ٹھیک ٹھاک ڈانٹا اندر آتا طارق اس کا جملہ سن چکا تھا شمرین کا چہرہ خفت سے لال ہو گیا طارق نے بے نیازی کا استہوار نریم کو دیکھا اور کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”میں پلاسٹران کھلانے آیا ہوں کیا اس کی سہولت آپ کے ہسپتال میں ہے یا نہیں۔“ وہ طنزیہ بولا تاکہ کروار ہوا تھا مگر وہ جھیل گئی۔

”جی ہاں بالکل۔“ وہ پیشہ دارانہ انداز میں بولی اور اٹھ کھڑی ہوئی ”ادھر بیٹھیں وہ دوسری طرف اشارہ کرتی ہوئی بولی تو بالکل خواستہ اس کی ہدایت پر عمل کرنا ہی پڑا اس کے نازک ہاتھ طارق کے بازو پہ مصروف عمل ہو چکے تھے۔

”اب آپ نے چند روز تک اس ہاتھ سے کام نہیں کرنا ہے نہ کوئی وزن اٹھانا ہے ابھی ہڈی ٹھیک طرح سے بیٹھی نہیں ہے آپ ہی کو نقصان ہو گا۔“ وہ فارغ ہو کر سامان جگہ پر رکھتے ہوئے اسے ہدایات دے رہی تھی۔

وہ رات کا کھانا کھا کر فارغ ہونے کے بعد ابھی ابھی بستر میں گھسی تھی جب زینہ نے بتایا کہ باہر چوہدری صاحب وسایا کے ساتھ آئے ہیں اس کا دل ہرگز بستر سے نکلنے کو نہیں چاہ رہا تھا چونکہ یہ پتہ نہیں تھا کہ کون سے چوہدری آئے ہیں اس لیے وہ شمال لیتی نکلی آئی نہ جانے کیا ہو گیا تھا جو رات کو آفت آپڑی تھی اسے سخت نیند آرہی تھی اس لیے کوفت ہو رہی تھی طارق کو دیکھ کر جھنجھلاہٹ میں اور بھی اضافہ ہوا مگر اس کے چہرے پہ شدید تکلیف کے آثار تھے اس کا پایاں بازو دیکھتے ہی وہ جان گئی کہ موصوف نے ضرور اس ہاتھ سے کچھ وزن اٹھایا ہے۔

”بتائیے کیا ہوا ہے۔“ اب کوشش کے باوجود اس کا لہجہ رسمی سا بھی نرم نہیں تھا۔

”اصل میں میں نے دن کو کچھ ایکس سائز کی تو اس ہاتھ سے ویٹ بھی اٹھایا تب سے تکلیف بڑھتی جا رہی ہے۔“ طارق نے اس کا لہجہ نظر انداز کر دیا نہ جانے کیوں؟

”تکلیف آپ کو دن سے ہو رہی ہے اور تشریف آپ رات کو لائے ہیں کیا ضرورت تھی اُنے کی۔“ وہ اسے ڈانٹنے لگی وہ دانٹوں پہ دانت جمائے خاموش رہا مگر نہ دل چاہ رہا تھا کہ اس نازک مگر سخت سی لڑکی کو ٹھپڑ مار کر خاموش کرادے جو مسلسل اس کی شخصیت کے پرچے اڑا رہی تھی۔ نریم نے دراز میں سے ٹیوب نکالی اور پہلے بیٹھ کر ان کی سادی کافی زیادہ کھینچ لیا کچھ ماہ پہلے ہی چودھریوں کی مہمانی سے اس گاؤں کے باسیوں کو میسر آئی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر کھڑی ہو گئی۔

”بازو سامنے لائیے۔“ وہ بے تاثر لہجے میں بولی پھر اس نے بڑی نرمی سے اس درد کش مزہم سے طارق کے بازو کی مالش شروع کی اسے آرام آنے لگا۔ طارق

نے بڑی بے خوفی سے پل بھر میں اس کا جائزہ لے ڈالا لہجہ کی ریفٹ بلیک وائیٹ شرٹ اور کالی شلوار میں ملبوس ڈھنگی ڈھالی چوٹی میں شالوں پہ گرم شال ڈالے ماتھے پہ جھولتی براؤن لٹ سمیت وہ اپنے حسن سے تقریباً ”تقریباً“ بے نیاز تھی سر جھکائے جھکائے اسے طارق کی گرم نگاہوں کی تپش کا بخوبی احساس ہو رہا تھا یہی تو اس کے ہاتھ بار بار کانپ رہے تھے اس نے بے شمار مود مریضوں کو اینڈ کیا تھا ایسی بے چارگی پہلے تو کبھی پیش نہیں آئی تھی شاید طارق کی شخصیت کا خوف اس کے ذہن میں ابھی تک موجود تھا۔ طارق کی بے چین نگاہیں اس کی گداز کلاسیوں سے ہوتی اس کے موی سفید ہاتھوں پہ سر گئیں جو اس کے مضبوط بازو پہ بہت کمزور لگ رہے تھے ان کا کانپنا رکنا ٹھہرنا اسے بڑا دلکش لگ رہا تھا وہ خوب صورت خیالوں کی رو میں بننے لگا پھر کسی انجان خیال سے چونکا اور اچانک اپنا ہاتھ نریم کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”بس کریں آئی ایم آل رائیٹ۔“ نریم کا ہاتھ ایک بار پھر اس کے ہاتھ کے نیچے کانٹا اور اس کی رگت میں زردی سی آگئی طارق نے فوراً ”اپنا ہاتھ ہٹالیا۔“

”آپ کو پرسکون نیند سے اٹھائے جانے پر معذرت چاہتا ہوں“ اس کی آنکھیں ابھی تک نیند کے خمار سے گلابی لگ رہی تھیں۔

”اب میں آپ کو آخری بار وارن کر رہی ہوں کہ اس ہاتھ سے ویٹ مت اٹھائیے گا نہ ایکس سائز کیجئے گا ورنہ بازوؤں کے پٹھوں سمیت ہڈی پر زور پڑے گا۔“ وہ طارق کو واپسی کے لیے برتوتے دیکھ کر بولی تو اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پلٹ کر بولا۔

”آئی ایم سوری نریم میں نے آپ کو کافی ہرٹ کیا آپ ہو سکے تو اس واقعے کو بھول جائیے گا۔“ اس بار اس کے لہجے میں رسمی سی ندامت نہیں تھی بلکہ واقعی حقیقی معنوں میں وہ شرمندہ لگ رہا تھا وہ اعتبار کرنے پہ تیار نہیں تھی چونکہ دار کو گٹ بند کرنے کی ہدایت دے کر وہ دوبارہ کمرے میں آگئی۔

”چودھری صاحب غالباً“ آپ کا یہ نیا ایکٹ ہے مگر میں واؤ میں آنے والی نہیں ہوں۔“ وہ لحاف منہ پہ

ذاتی سوچوں میں ڈوب ڈوب گئی۔

نکل گئی تو وہ ہاتھ دھو کر رہ گیا۔
وہ ہال میں آگئی جہاں موسیقی کی محفل بھی ہوئی
تھی وہ طارق کی پھوپھو زاد سارہ کے پاس بیٹھ گئی اس نے
نیا گلوکار پرانے نغمے گارہا تھا۔

ذرا مہی سوچو
پچھڑ کے یہ ملنا محبت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
ملے ہو مگر اجنبی بن رہے ہو قیامت نہیں ہے تو

پھر اور کیا ہے

یہ کس جرم کی تم سزا دے رہے ہو

خدا کے لیے ہم کو اتنا ہٹا دو

عداوت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

طارق بھی آگیا تھا اس کا چھپنا بے کار گیا تھا وہ سارہ
اور اس کے سامنے بیٹھ گیا سب ہی انجوائے کر رہے
تھے ایک وہی تھی جو خوفزدہ تھی۔

”نریم آپ کو میری بات سنی پڑے گی۔“ وہ سارہ
کے دوسری طرف متوجہ ہونے پر بولا تو وہ پاس آتی بڑی
چوہدرائیں کو دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔

”پلیز مجھے گھر بھجوا دیں رات بہت ہو گئی ہے۔“
”وہی ایک بات تو بتاؤ تم مجھے بڑی چوہدرائیں یا پھر
نام لیے بغیر ملائی ہو میرے دل کو اس سے بڑی تکلیف

ہوئی ہے سب کی طرح مجھے بڑی اماں کہا کرو مجھے خوشی
ہوگی اور ٹھہرو میں دسایا سے کہتی ہوں تمہیں چھوڑ
آئے۔“

”شکریہ بڑی اماں۔“ وہ ان کے ہاتھ تھام کے
متشکرانہ انداز میں بولی تو وہ نہال ہو گئیں پھر باج منٹ
بعد سارہ آکر بولی۔

”جائیں گاڑی تیار کھڑی ہے۔“ اس نے ادھر
ادھر دیکھا وہ کہیں نہیں تھا شکر کا سانس لیتی سب کو
الوداعی سلام دے کر وہ نیم اندھیرے میں کھڑی گاڑی

میں بیٹھ گئی ”چلو دسایا جلدی کرو“ وہ ایزی ہو کر بولی مگر
چند منٹ بعد احساس ہوا کہ دسایا پرفیوم تو استعمال
نہیں کرتا اتنی قیمتی خوشبو استعمال کرنے کا وہ متحمل

بھی نہیں ہو سکتا تھا پھر یہ کون تھا طارق ہاں یقیناً ”سو
فیصد طارق۔“ وہی یہ پرفیوم استعمال کرتا ہے۔

”پلیز گاڑی روکیں۔“

طارق کے بازو کے ٹھیک ہونے کی خوشی میں
تقریباً ”تمام خاندان والوں کو مدعو کیا گیا تھا اس موقع پر
نسرین بیگم اور طارق کی والدہ رقیہ نریم کو بھی مدعو کرنا
نہیں بھولی تھیں وہ جانتا تو نہیں چاہ رہی تھی مگر بڑی
چوہدرائیں جب خود آئیں تو اسے جانتی پڑا طارق کے
تمام کزنز جمع تھے نریم اکثر کو پہلی بار دیکھ رہی تھی سب
اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے کچھ کی شادیاں ہو چکی تھیں کچھ
کنوارے تھے ان کی ہنسی شرارتیں اور مسکراہٹیں بتا رہی
تھیں کہ وہ سب آپس میں محبت کی دُور سے منسلک
ہیں نریم انگوری رنگ کے سوئی سوٹ میں ملبوس اپنے
سادہ حلیے کے باوجود بڑی دلکش لگ رہی تھی۔

طارق اسی پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اپنے بدلتے
خیالات کے ہاتھوں اس نے دل میں خود کو بڑا ذلیل کیا
تھا مگر آج کوئی اس کے اندر سے بار بار کہہ رہا تھا کہ
سب کچھ کہہ ڈالے کہ نریم احمد نے اس کا سکون لوٹ
لیا ہے وہ اس کی نیندیں چرانے کی مجرم ہے اور یہ کہ وہ
سب کچھ بار چکا ہے یہ بارنے کا احساس ہی بڑا دل کش
تھا اس نے پاس کھڑی نریم کو بڑی چاہت سے دیکھا اور
ادھر ادھر دیکھا اس کے قریب ٹھہر گیا۔

”نریم مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے
صرف چند منٹ لوں گا میرے ساتھ چلیں گی۔“ اسے
شاک سے لگا۔

”کیا کہہ رہے ہیں آپ۔“ اس کی خوفزدہ آواز حلق
سے برآمد ہوئی۔

”یہی کہ میرے کمرے میں چلیں بہت ضروری
بات کرنی ہے۔“

”ہرگز نہیں میں آپ کے کمرے میں نہیں جاؤں
گی۔“ وہ پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہی
تھی۔

”نریم پلیز میرا یقین کریں کہ میں کوئی ایسی دبی
بات نہیں کروں گا میرا اعتبار کریں۔“ وہ لجاجت سے
بولا۔

”نہیں، نہیں۔“ وہ تیزی سے چلتی ایک طرف

”کیوں آپ نے آگے آنا ہے میرے ساتھ یقیناً“
میری قسمت اتنی اچھی نہیں ہے ویسے آگے بیلے یہ
میں گاڑی آپ کے نہ کہنے کے باوجود بھی روکنا گھر میں
میں نے بڑی کوشش کی کہ آپ میری بات سن لیں مگر
نہیں آپ تو پلو ہی نہیں پکڑوا رہی ہیں اس لیے یہ کرنا
پڑا مجھے میری منزل آگئی آئی میں یہاں آپ سے بات
کروں گا اس طرف رات کو انسان آتے ہوئے ڈرتے
ہیں صرف جنگلی جانور ہوتے ہیں اس لیے کوئی خطرہ
نہیں ہے۔“ وہ یہ سب کچھ کیوں کہہ رہا تھا یقیناً ”اس
کے ارادے نیک نہیں تھے اس سنا سن لے لے کرنا کیا
معنی رکھتا تھا۔“

”اگر آپ نے مجھے ہاتھ لگایا تو اچھا نہیں ہو گا میں
شور مچا کر سب کو اکٹھا کر لوں گی اور اس خبر سے
نقاب اتار پھینکوں گی۔“ گاڑی رک چکی تھی نریم نے
بجلی کی سی تیزی سے دروازہ کھول کر دوڑ لگائی اور
اندھیرے میں گھر سے درختوں سے گھو کر کھا کر گری مگر
بہت سنبھلتی دوبار کھڑی ہو گئی مگر اب سامنے طارق
کا چٹائی وجود اہستہ تھا۔

”ٹھیک ہے نریم احمد میں ہمیشہ اس بے اعتباری کو
باد رکھوں گا اور یہ بتا دوں کہ میرے چہرے پر نقاب
نہیں ہے میں جو کچھ ہوں سب کے سامنے ہوں ہاں یہ
تھی سرکشی میری طبیعت کا خاصہ ہے۔“

”اور ہٹ دھرمی بھی۔“ وہ مزید بولی اور ایک قدم
پچھے ہوئی۔

”آئیے بیٹھیں میں آپ کو چھوڑ آؤں اگر گاڑی
میں نہیں جانا چاہیں تو آپ کی مرضی۔“ وہ بے تاثر
لہجے میں بولا پھر وہ اسے اتارتے ہی گاڑی کو تیزی سے
موڑتے ہوئے غائب ہو گیا۔

نریم کو شدید بخار نے آلیا سارے گاؤں میں خبر
پھیل گئی کہ ڈاکٹرنی بیمار ہو گئی ہے وہ تین روز سے لاچار
بستر میں پڑی ہوئی تھی سارا ہاسپٹل نرسوں اور کپوڈر
کے بل بوتے پر چل رہا تھا اس روز چوہدرائیں طارق
کے ساتھ نریم کو خود دیکھنے چلی آئیں وہ برآمدے میں

کھڑی نرسوں کی کلاس لے رہی تھیں جنہوں نے
نریم کی طبیعت کا بتایا تک نہیں طارق اندر چلا آیا

جہاں وہ بستر پر بیٹھا تھا اسے انداز میں لیٹی ہوئی تھی
اسے دیکھ کر اس نے ناکام سی کوشش کی طارق نے
دونوں ہاتھوں سے دباؤ ڈالنے ہوئے اسے لٹا دیا۔

”دیکھا میری بات نہ سننے کا نتیجہ بیمار پڑ گئیں ناں
اگر میری درخواست سن لیتیں تو کیا جاتا آپ کا جب
سے آپ کی بیماری کا سنا ہے بہت پریشان ہوں کیوں
اتنا کام کرتی ہیں اپنی ساری تھکن مجھے دے دیں“ وہ
اس پر جھکے جھکے بولا تو نریم پوری جان سے لرز گئی اگر
کوئی دیکھ لیتا تو۔

یہاں اس کی شہرت ایک نیک نام لڑکی کی تھی اور
فحش اس وقت اس کے بچہ قریب اسے اپنی جاندار
آنکھوں کے ظلم میں قید کرتا ہوا کیوں اسے بدنام
کرنے پر تلا ہوا تھا۔

”پلیز ہٹ جائیے یہاں سے۔“ وہ کمزور آواز میں
چلائی اور ساتھ اپنے ہاتھوں سے عملاً ”دور کرنے کی
کوشش کی۔“

”بہت جاؤں گا مگر پلیز رویے نہیں بلکہ اپنے آنسو
مجھ سے دیں۔“

”کس بات سے۔“

”وہ تاتا جو عنقریب میں آپ سے جوڑنے والا
ہوں۔“

”کون سا۔“

”زندگی بھر کا۔“

”ایسا نہیں ہو سکتا۔“

”کیوں نہیں ہو سکتا میں آپ سے محبت کرنے لگا
ہوں صاف گہری اور مضبوط۔“

”مگر مجھے آپ سے محبت نہیں ہے۔“

”نہ ہو مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا ہے۔“

”مجھے تو پڑتا ہے جس شخص نے میری راہوں میں
بدنامیوں کے کانٹے ہی کانٹے اگا دیے ہیں میں اس
سے نفرت بلکہ شدید نفرت ہی کر سکتی ہوں۔“

”میں ان کانٹوں کو اپنی پٹکیوں سے چنوں گا رہا محبت
اور نفرت تو وہ ذاتی فعل ہیں آپ مجھ سے نفرت کریں
میں آپ سے محبت کروں گا گہری دیوانوں والی“ وہ بے

خودی میں دوبار اس پر جھک آیا تو نریم نے تیزی سے

کروٹ بدلی۔

”پلیز شریف لے جائیں یہاں سے۔“ وہ شانوں پر دوپٹہ لٹکی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی نرسین بیگم کے اندر آتے ہی اس نے سکون کی سانس لی وہ اپنے ساتھ ڈھیروں پھل، دسی حلوہ جات، مرغی کا بھنا گوشت اور تختی لائی تھیں وہ بری طرح شرمندہ ہوئی انہوں نے بڑی محبت سے اسے اپنے ہاتھوں سے سیب کاٹ کر کھلایا انار کے دانے نکال کر دیئے۔

”تو کیسے سنگدل ہیں تمہارے ماں باپ کوئی تین ماہ سے پتہ ہی نہیں کرتے آیا اور تم بھی نہیں گئیں ایسی بے خبری اچھی نہیں ہوتی۔“ نرم نے شکوہ کنال نگاہوں سے طارق کی طرف دیکھا تو وہ نظریں چرا گیا۔



”صوفیہ آپ یہاں کیا کر رہی ہیں بیڈ نمبر چار۔“ آپ کی ڈیوٹی ہے۔“ نئے آنے والے مریض لڑکے کے گھر سے اس کو کہیں ہاتھ دیکھ کر نرم کا پارہ ہالی ہو گیا تو وہ پرے پرے منہ بناتی چلی گئی ان تینوں کا وہی وطیرہ تھا ذرا کسی اچھی برسنالشی اور اچھی حیثیت والے مریض کو دیکھ کر بے تکلف ہو جاتی تھیں کافی عرصے سے نرم برداشت کر رہی تھی ان کی اوچھی حرکتوں کے باعث ہاسپٹل کی ریپویشن خراب ہونے کا خدشہ تھا ایک نئی ڈاکٹر اور چار نرسیں اور ہاسپٹل میں آئی تھیں جنہیں اپنے پیشہ ورانہ فرائض سے لگاؤ تھا اس روش سے ان کا متاثر ہونا فطری تھا سو انہیں روکنا لازمی تھا۔

”قمر اب آپ کی کیسی طبیعت ہے۔“ وہ سرہانے پڑی اس کی فائل اٹھا کر دیکھنے لگی۔

”کافی امپروومنٹ فیل کر رہا ہوں یہ سب آپ کی سیجائی کا اعجاز ہے۔“ وہ بولا تو وہ سر جھٹک کر اس کے سینے کی بینڈج بدلتے لگی درود سے اس کا دھیان ہٹانے کو وہ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی عین اس وقت طارق ڈیوٹی روم میں کھڑا اس کا پوچھ رہا تھا۔ ”آج کل بڑے چکر لگانے لگے ہیں۔“ ساجدہ نے ہنسی کے پردے میں طنز کیا۔

”ہاں اب مستقل طور پر ادھر ہی ایک کمر لینا پڑے گا تاکہ روز روز کے چکروں سے بچا جا سکے ویسے

نرم کہاں ہیں۔“ اس نے بات ہنسی میں اڑائی۔

”وہ ادھر زخمیوں کے وارڈ میں ہیں دوسرے گاؤں کے نمبر وار کا بیٹا قمر بھی وہاں ہے اس سے ہنس ہنس کے باتیں ہو رہی ہیں۔“ نرسین نے لگے ہاتھوں حساب برابر کیا اور شک کا تیر اس کے اندر ترانہ کر گئی۔

وہ بڑے غور سے نرم کے پیچھے کھڑا اس کے مصروف عمل ہاتھوں کو دیکھ رہا تھا ایک اجنبی کے جسم کا درد اس کے ہاتھ بھلا کیوں سمیٹ رہے تھے رقابت کی تیز لہر اس کے تن میں کوجلا کر رکھ کر گئی وہ اور ایک غیر مود کے اتنے قریب جھک کر بینڈج کا سرا کاٹتی نرم اسے اپنی دسترس سے دور محسوس ہوئی۔

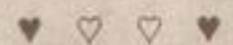
”اوکے قمر صاحب آرام کریں اس ڈوز میں سلیپنگ پلر بھی ہیں فوراً ہر سکون نیند آئے گی تو درد کا احساس بھی نہیں ہو گا۔“ وہ اسے تسلی دیتے ہوئے مسرور سی بھی طارق انہی قدموں پلٹ گیا۔

کافی دیر بعد جب وہ سارے مریضوں کو دیکھ کر آئی تو طارق اسٹاف روم میں گئیں لگا رہا تھا نئی آنے والی ڈاکٹر عفراس کی وجاہت مردانہ شخصیت سے بڑی متاثر لگ رہی تھی۔

”کیوں خیریت کیسے آتا ہوا۔“ وہ کافی روز بعد اسے دیکھ رہی تھی۔

”کیا خیریت کے بغیر نہیں آیا جا سکتا ویسے میں پونہی ملنے آیا تھا۔“ وہ ایک گہری نگاہ ساجدہ صوفیہ نمرین اور عفرار ڈال کر بولا۔

”تو آپ باتیں کیجئے میں آرام کرنے جا رہی ہوں۔“ اسے نظر انداز کرتی وہ چلی گئی تو طارق اس کی بے نیازی پر تاؤ کھا کر رہ گیا۔



”میرا بھی سوئی صدیقی خیال تھا کہ تم ڈاکٹر نرم کو پسند کرتے ہو ویسے اس میں برائی بھی نہیں ہے یہ آئے روز جو تم ٹوٹے پھوٹے رہتے ہو بچت ہو جائے گی۔“ خاور اس کے دل کے بات جان کر بہت مسرور ہوا اس کا راز خود بہ خود بیوں تک پہنچ گیا بڑی اماں کے تو پاؤں ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے نرم اول روز

سے ہی ان کے دل کو بھائی تھی۔ طارق نے اس وقت تک بات نرم کے کانوں تک پہنچنے سے روک دی جب تک ادھر سے مثبت جواب ملتا۔

بالکل غیر متوقع طور پر احمد ابرار اور بیگم ابرار اتنے اچھے روپوئل کو پا کر بہت خوش ہوئے انہوں نے اتنے اچھے لہ آنے سے اس کے رشتے کا تصور تک نہیں کیا تھا اعلیٰ تعلیم یافتہ اسما رث خوبرو طارق انہیں اپنی ماں کی گئی دعا لگا انہوں نے جھٹ منظوری دے دی اس کے علاوہ انہیں کیا چاہیے تھا شارق گاؤں جا کر بہن کو لے آیا احمد ابرار کا ارادہ جن بھائی کی شادی ساتھ کرنے کا تھا شارق کا رشتہ وہ طے کر چکے تھے اب کی بار سب کا رویہ بدلا ہوا تھا لہجے میں برائی تختی کا شائبہ تک تھا یہ عقیدہ بھی کھل گیا اس کا رشتہ جو طے ہو چکا تھا بوجھ سر سے اتارنے والا تھا اس کے ہاتھوں کا زخم بھرنے والا تھا کیا وہ اتنی ہی ارزاں تھی بے مول بے یارم قیمت۔

ماپوں کی رسم کے بعد اس کا اور شارق بھائی کا ایک ساتھ نکاح تھا جو نئی ذرا عورتوں کی بھیڑ کم ہوئی نرم اندر آ کر لیٹ گئی زرد دوپٹہ اتار کر رکھ دیا پھولوں کے گجرے نوچ دئے اس کے پاس سے مہندی اٹھن پر لیوم اور تیل کی مٹی جلی خوشبو آ رہی تھی ایسی درگت کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا پیلے کپڑوں میں اسے اپنا چہرہ بھی پیلا پیلا لگا۔ نکاح نانے پر سائن کرتے ہوئے اسے بہت رونا آیا جانے طارق اس کی راہ کے کانٹے چننا یا پھر اسلافہ ہی کرتا رقیہ نے ہاتھ چوم کر گئی ہرے ہرے نوٹ اس کی تھیلی پہ رکھے نڈھال کی نرم پہ انہیں بری طرح ترس اور ہیار آیا جو سسک رہی تھی۔

اس کے سامنے نرم ہی تھی جو اب نرم طارق بن کر اسے خروناز کا احساس بخش گئی تھی گولڈن ومیون کا دار شرارے میں ملبوس وہ اسے ساری دنیا سے انوکھی اور مختلف لگی جیت کا نشہ اس کے انگ انگ میں سرستی بھر رہا تھا جو نئی طارق کپڑے بدل کر ڈرننگ روم سے باہر آیا وہ چھپر کھٹ سے اتر کر درپچے کے قریب کھڑی ہو گئی۔

”جائیں ایک ایک فرد کو جا کر بتائیں کہ نرم احمد

بے گناہ ہے اور رات کے بعد وہ بالکل اسی حالت میں آئی تھی جس طرح گئی تھی جائیں میرے ڈیڈی امی بھابھی اور بھائیوں کو جا کر بتائیں کہ نرم پاکیزہ اور ان چھوٹی ہے۔“ وہ اس کے گریباں پکڑتے ہی بے قابو ہو گئی ”جائیں ناں ایک ایک کو پکڑ کر بتائیں کہ نرم معصوم ہے بے گناہ ہے اس نے کچھ نہیں کیا تھا۔“ وہ بہت ہسیر بیکل ہو رہی تھی اگر اس کی آواز کمرے سے باہر چلی جاتی تو اچھا خاصا مسئلہ بن جاتا۔

”پلیز نرم چپ ہو جاؤ۔“ اس نے بے انتہا نرم لہجے میں کہا اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈھنڈھ رہی تھیں پلوں کے قطرے بے ایمان کرنے لگے۔

”پلیز فی الحال یہاں سے چلے جائیے ورنہ جانے میں کیا کر رہیں گے۔“ وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑ گئی ”میں اس وقت کہاں جاؤں سارا گھر مسمان حضرات و خواتین سے بھرا ہوا ہے۔“ وہ کہاں تک برداشت کرتا لہجے میں تختی آئی گئی۔

”میں ہی چلی جاتی ہوں۔“ وہ فیصلہ کن قدم دروازے کی سمت اٹھانے لگی طارق نے اس کا آچہل کنارے سے تھام لیا۔

”کیا تماشا بنانا ضروری ہے۔“ اس کی گرفت دوپٹے مضبوط ہو گئی۔

”تماشا تو آپ نے بنوایا ہے ہر شخص مجھے معنی خیز انداز میں دیکھ کر دوسرے کے کان میں سرگوشی کرتا ہے کہ یہی ہے وہ لڑکی جو ایک رات اغوا کے بعد واپس آئی۔“ ماضی کی ایک بات آج یاد آ رہی تھی دل چاہ رہا تھا ساری کھولن آج ہی باہر نکال دے۔ طارق نے اس کا مکام کا آچہل چھوڑ دیا اور جوتے اتارنے کی زحمت کے بغیر لیٹ گیا یہ تو طے تھا کہ وہ ہتھیار پھینکنے والی نہیں تھی۔

دعوتوں و عیمو سے فراغت کے بعد وہ دوبارہ ہاسپٹل جانے لگی جہاں اس کی شادی نے نرسوں پہ روک سا طاری کر دیا تھا نمرین ساجدہ صوفیہ اور عفرانے بچھے بچھے دل سے اسے مبارکباد پیش کی ہاں گھروالے بہت خوش تھے کیونکہ طارق کی اکھڑ خود سر طبیعت سے انہیں خوف آتا تھا انہیں یقین تھا کہ نرم جیسی پیاری

اور دھیمے مزاج کی لڑکی بہت جلد اسے سنبھال لے گی
مزار سے بھی اس کی بے جا سختی کی آج کل بہت
شکایت کرنے لگے تھے بات بات پہ آؤٹ ہونا اس کی
طبیعت کا خاصہ بن چکا تھا ان کے یہ خیالات کہ شادی
کے بعد چوہدری صاحب بدل جائیں گے بالکل غلط
ثابت ہوئے تھے وہ تو پہلے سے بھی سخت ہو گیا تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

دستک بڑے زوردار انداز میں ہوئی تھی خیند میں
جاتی نرم کے حواس پوری طرح جاگ گئے اس کے
اٹھنے تک دستک جاری رہی اس نے دروازہ کھولا تو
طارق اندر گھس آیا اسے ہٹا کر دروازہ بند کیا۔
”بھی تیا جان شاید ادھر آئیں انہوں نے مجھے
ہٹ میں سوتے دیکھ لیا ہے اگر وہ آکر پوچھیں تو کہنا کہ
نہیں انہیں دھوکا ہوا ہے“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور
کہتا ہر دروازے پہ پھر دستک ہوئی وہ چٹکی کی تیزی سے
نریم کے بستر میں گھس گیا باہر واقعی تیا جان تھے۔
”طارق کہاں ہے؟“ ان کا انداز کھوجوں والا تھا۔
”وہ تو کب کے سو رہے ہیں آکر دیکھ لیں۔“ وہ
سامنے سے ہٹ گئی تاکہ وہ اپنا شک دور کر سکیں۔
”نہیں نہیں ٹھیک ہے اب آرام کرو۔“ وہ پلٹ
گئے گہری سانس لیتے اس نے دروازہ بند کر دیا اور چند
منٹ یو کی اس کی پشت سے ٹیک لگائے کھڑی رہی
اس روز کے بعد سے طارق نے الگ سونا شروع کر دیا
تھا وسیع و عریض باغ کے ایک قطعے پر اس نے اپنی ذاتی
دکچپی کی بنا پر ایک ہٹ بنوایا ہوا تھا جو سولیات سے
مزین تھا رنگ رنگ کے پھول اور پودے اس کی خوب
صورتی میں اور بھی اضافہ کرتے یہ کوئی جاوونی سا ہٹ
لگتا تھا پھولوں اور بیلوں سے ڈھکا طارق کی پسندیدہ
جگہ وہ آج کل ادھر ہی سوتا تھا اس کی شامت آتے
آتے رہ گئی تھی تیا کسی کام سے ادھر آئے تھے بتی
جلتی دیکھ کر وہ اندر آگئے بستر میں سویا وجود انہیں سو
فیصد طارق لگا تھا بھی تو وہ معاملہ جاننے کو اپنے قدموں
لوٹے تھے طارق نے دو سرار استہ اختیار کیا اور ان سے
پہلے کمرے میں پہنچ گیا۔

چند منٹ وہ یو کی لینا رہا اور پھر اٹھ کر ٹیک لگا کر

ہینچ گیا جیسوں کو ٹٹل کر لائٹر اور سگریٹ نکالا دو
سگریٹ اس نے منٹوں میں ختم کر ڈالے نرم کو بڑی
الجھن ہوئی وہ پاس پڑے صوفے پر ٹنگ گئی ”اصل
میں جب پریشان ہوتا ہوں تو اسموکنگ زیادہ کر دیتا
ہوں عام حالات میں نارمل پیتا ہوں۔“

”اور نارمل اسموکنگ کیا ہوتی ہے۔“ وہ طنز پر بولی۔
”بھی کوئی چار پانچ پیکٹ۔“ وہ مزے سے بولا تو وہ
کانوں کو ہاتھ لگا کر رہ گئی۔

”اچھا وہیں رات بسر کرنے کا ارادہ ہے تو بسرو چشم
میں تو سونے لگا ہوں۔“ وہ سگریٹ مسلتے ہوئے واقعی
لیٹ گیا نرم کو امتحان نے آلیا پھلا اس کی موجودگی میں
اس کے سامنے وہ کیسے سو سکتی تھی۔

♥ ♥ ♥ ♥

طارق بار بار ایک ہی گانا ریا سنڈ کر کے سنے جا رہا
تھا اللہ جانے شکوہ تھا یا کچھ اور۔

تم دور تھے تو کیا ہوا
تم مل گئے تو کیا ہوا
ویرانیاں کم نہ ہوئیں
تھا تھا میں تھا رہا

سارہ شوخی سے کھانسی تو ثنائے اس کے ہاتھ پہ ہاتھ
بارا ”دراچ جی بتانا یہ گانا کتنی بار ریا سنڈ کیا گیا ہے“
”ایک دو تین بلکہ ساتویں بار اس نے حساب لگا کر
بتایا۔

”نریم ذرا جا کر پوچھو تو اتنے زبردستی گانے سننے کا
مطلب کہیں لڑائی و لڑائی تو نہیں ہو گئی ہے جاؤ
شباباش۔“ عمارہ نے اسے باہر دھکیلا ”کیوں یہ شخص
مجھے استہمار بنا رہا ہے۔“

اس نے پاؤں مار کر دروازہ کھولا ڈیک کی پر شور آواز
اس کے کانوں سے لگرائی طارق سینے کے بل التالیٹا
تکیے میں منہ چھپائے کچھ زیادہ ہی مگن تھا اس نے ہن
آف کیا تو خاموشی چھا گئی وہ سیدھا ہوا نرم اسے ہی
دیکھ رہی تھی۔

”آخر آپ بار بار یہ گانا سنوا کر یہ ثابت کرنا چاہتے
ہیں کہ آپ پر ظلم ہوا ہے۔“ وہ لڑا کا حسینہ لگ رہی

تھی۔

”پلیز ہن ہنشی کر کے دروازہ بند کر جائیں۔“ وہ
دو بار اساتقہ پوزیشن میں چلا گیا جیسے اسے سو فی صد
یقین ہو کہ وہ اس کی بات ماننے کی۔

”آپ یہ گانا نہیں سنیں گے۔“ وہ کیسٹ نکالنے
لگی تو طارق اٹھ آیا۔

”میں یہی گانا سنوں گا اور ہاں مجھے یہ رعب قطعی
پسند نہیں ہے ابھی ہم اس مقام تک نہیں پہنچے ہیں کہ
زور زور دستی کریں“ وہ اسے کچھ جتا گیا تو نرم نے اسی
میں عافیت جانی کی ہار نکل ہی جائے۔

”ا تنی دیر لگادی کون سے مذاکرات ہو رہے تھے۔“
عمارہ نے اس کے کان میں سرگوشی کی ”ارے نہیں
یار کون سے مذاکرات ہونے تھے“ وہی گانا زور شور
سے بچنے لگا تھا اس نے قصداً ”دھیان ہٹالیا مگر وہ تینوں
اسے کہاں پھوڑنے والی تھیں۔

دوسرے روز صفائی کرتے ہوئے وہ خواجواہ اس کا
میوزک کلیکشن چیک کرنے لگی طارق کی پسند
مختلف سی تھی کلاسیکل نیم کلاسیکل اور پاپ سے لے
کر راک تک اس کے پاس ہر طرح کا میوزک
کلیکشن تھا۔ مگر سب کی شاعری بڑی
رومیٹک اور سافٹ تھی انگلش نمبرز میں تو یہ
خصوصیت اور بھی نمایاں تھی آخری دراز میں صرف
ایک کیسٹ پڑی تھی وہ بھی بڑے برے حال میں چٹکی
ہوئی جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی اس نے جتنس کے ہاتھوں
بھور ہو کر اٹھالی کور غائب تھا اس سے پہلے کہ وہ مزید
جائزہ یعنی ایک مروانہ ہاتھ نے وہ کیسٹ چھین لی یہ
طارق تھا۔

”یوں میری چیزوں کا جائزہ لینے کا مقصد۔“ اس کی
آنکھوں میں غصہ سرخی بن کر جھانک رہا تھا۔

”مم میں تو صفائی کر رہی تھی ایسے ہی بس دیکھ رہی
تھی کہ آپ کا ذوق کیسا ہے۔“ اس نے صفائی دی۔

”میرے ذوق کو چھوڑیں ویسے آپ کا ذوق بڑا سخت
ہے آپ کو تو عامر سلیم کا گانا ”تیرے عشق نے مالا مال
کیا۔“ بھی بڑا پسند لگتا ہو گا مگر مجھے پسند ہے اس لیے
کہ یہ گانا عشق حقیقی کی طرف اشارہ کرنا ہے میں

رومیٹک گانے شوق سے سنتا ہوں آپ کو ناپسند
ہوں گے یقیناً“ اس کا جائزہ و مشاہدہ بالکل درست
تھا۔

”ویسے پتہ ہے یہ وہی کیسٹ ہے جو آپ نے بس
میں سنی تھی تھانے سے باہر آتے ہی میں نے اسے
اپنے قبضے میں لے لیا تھا ارادے تو بہت کچھ تھے مگر خیر
چھوڑیں بسوں میں جو گانے بچتے ہیں وہ اسبیشلی تیار
کیے جاتے ہیں باذوق و پاکیزہ لوگ انہیں کہاں پسند کر
سکتے ہیں۔“ اس نے چٹکی لگی کیسٹ کو مزید توڑ پھوڑ کر
کھلی کھڑکی سے باہر اچھال دیا۔

”کاش میری پسند و ناپسند اتنی کڑی نہ ہوتی اسی کے
نتیجے میں تو میں یہاں ہوں لوگ تو جذبات کو برا کرنے
والے گانے بھی۔ بن بھائیوں کے ساتھ ہینچ کر آرام
سے سن لیتے ہیں پھر ہم چاروں بن بھائی اتنے سخت
اور مضبوط کیوں لگتے ہماری پسند دنیا سے انوکھی کیوں
تھی۔ ہم سیدھے راستے پر ہی چل رہے تھے ناں پھر میرا
ساتھ ایسا کیوں ہوا؟

کاش میں اس روز بس میں سوار نہ ہوتی اگر وہی
گئی تھی تو ساتتیس پتھری کر سکتی یا پھر ٹریفک پولیس کو جا
کر نہ بتاتی بھلا یہ بولڈ نہیں میرے کس کام آئی بسوں
دیکھو سونو کیوں میں آج بھی اس ٹائپ کے لچر گانے
بچتے ہیں فرق تو صرف مجھے پڑا ہے۔“ صفائی کرتے اس
کے ہاتھ بے جان پڑ گئے طارق باہر جا چکا تھا۔

♥ ♥ ♥ ♥

نریم کو اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا امی اور
بھابھی اس سے ملنے آئی تھیں باورچی خانے میں ان
کی آمد یہ رنگ برنگے کھانے پکانے کے آرڈرز جاری
ہو چکے تھے دوپہر کا کھانا کھا کر وہ لوگ حلے گئے امی نے
چٹکے سے کہا کہ اگر ہو سکے تو ہمارے گزشتہ رویے
بھول جانا بھلا وہ کیسے گزشتہ رویے بھول جاتی اتنا
آسان تو نہیں تھا یہ رات کو جب وہ بیٹھی کڑھ رہی تھی
تو طارق چلا آیا۔

”میں آج ادھر ہی سوؤں گا گھر والوں کو شک ہو گیا
ہے کہ میں کہیں اور انوالو ہوں اس لیے بیوی کو لفٹ
ہی نہیں کراتا“ وہ ایک ایک لفظ دانت جھماکراوا کر

رہا تھا وہ بیڈر قدرے بڑے ہو گئی تو اس کی یہ حرکت طارق کو اور بھی تنگ کر گئی وہ اسے پورے استحقاق سے نکتے لگا رہا تھا چہن ہو کر انگلیاں مروڑنے لگی اور ہونٹ چبانے لگی طارق نے آگے ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

”کیوں ان ہاتھوں اور ہونٹوں کی نرمی مجروح کرتی ہو جسے ابھی تک میں نے محسوس نہیں کی ہے سچ کہہ رہا ہوں ناں۔“ نرم نے وحشت زدہ نگاہوں سے اسے دیکھا جس میں ایک التجاسی تھی۔

”میں نے تمہارے ساتھ نکاح کیا ہے کوئی ایسے ہی بھگاکر نہیں لایا ہوں۔“ آج اس کا انداز بدلا ہوا تھا۔

”تو پھر جائے میرے گھر والوں کو بتا دیجئے آپ نے مجھے کس جرم کی پاداش میں اغوا کیا تھا تاکہ وہ بھی آپ کے چہرے سے واقف ہو سکیں۔“ وہ اکثر اس کے جذبات کو یوں ہی مجروح کر دیا کرتی تھی۔

”کب میری انا بارے کی اور میں جیتوں گا۔“ وہ افسوس سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

سارہ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہو گئی تھی گھر میں مہمانوں کی آمد و رفت شروع ہو چکی تھی لیٹ رومز کی صفائی کرانا نرم کی ذمہ داری تھا اور وہ اپنی ذمہ داری کو تندہی سے نبھا رہی تھی ابو ظہبی سے بڑے چوہدری کے خاص الخاص مہمان آئے ہوئے تھے لڑکیاں بالیاں ڈھولک پہ گانے گا رہی تھیں بڑی اماں نے بطور خاص نرم کو چاہئے بنانے کے لیے کہا کیونکہ وہ چاہئے بہت اچھی بناتی تھی سب اس کے معترف تھے چاہئے کے بعد وہ عمارہ مختلف سانون کے لیے پاز لسن کائنے لگیں طارق نے بھی اپنی خدمات پیش کیں وہ صبح سے نرم کو مصروف دیکھ رہا تھا تھکی تھکی سی نرم کو دیکھ کر وہ بے اختیار یہ آفر کر بیٹھا تھا کہ اس گھرانے کی روایت شروع سے یہی چلی آ رہی تھی کہ

باورچی خانہ عورتیں خود سنبھالتی تھیں نوکریوں سے یہ کام کروانے کا سوال پیدا نہیں ہوتا تھا عمارہ شوہر کے بلاوے پر باہر چلی گئی نرم اکیلی ڈھیروں گوشت کی بوٹیاں بنانے کے تصور سے ہی دل گئی چھری ہاتھ میں لیے وہ کم سم کھڑی تھی طارق نے وہ لمبا چھرا اس کے

ہاتھ سے لے لیا۔

”میں کٹواتا ہوں اگرچہ ایسے کام پہلے تو نہیں کیے ہیں مگر اب کر لوں گا۔“ اس نے اناڑی پن سے گوشت کا ایک ٹپس کائنے ہوئے کہا ”مجھے تو اس چہرے کو دیکھتے ہوئے خوف آ رہا ہے۔“ نرم نے جھرجھری لی۔

طارق نہ جانے کس تصور میں تھا کہ گوشت کے بجائے چھرا ہاتھ پہ چلا دیا اس کی شہادت کی انگلی تک چھرے کا تیر دھار چمکا کنار اتر گیا جب تازہ لہو کی سرخ سرخ بوندیں نیچے ایک تواتر سے گرنے لگیں تو نرم چیخی۔

”وہ مانی گاؤں آپ کا ہاتھ بہت زیادہ کٹ گیا ہے کم از کم چھ ٹانگے تو لگیں گے ہی فوراً“ میرے ساتھ چلیں“ گھر میں وہ ایسے حادثوں کے لیے تیار رہتی تھی سو ضروری سامان بھی موجود تھا مگر ٹانگوں کے لیے اسے ہسپتال لے جانا ضروری تھا نرم کو گاڑی ڈرائیو کرنی نہیں آتی تھی ولسایا کو مختصراً بتا کر وہ طارق کو ساتھ لے آئی اپنے لیے اسے یوں پریشان دیکھ کر طارق کو تکلیف کا احساس جاتا رہا۔

جب وہ واپس ہوئے تو سارے گھر میں اس واقعے کی بابت گفتگو ہو رہی تھی ”طارق تمہارا دھیان کہاں تھا۔“ رقیہ خٹک سے بولیں تو وہ ہنس پڑا۔

”آپ کی بہو میں“ جواب برجستہ تھا سب کی موجودگی کے باعث وہ جھینپ گئی۔

سازہ کی شادی کی تمام رسموں کو اس نے بڑا انجوائے کیا برسوں بعد کھل کر ہنسی شرارتیں کیں ابھی ابھی اس نے ڈھیروں امین و مہندی لڑکے لڑکیوں پر چھینکی تھی جوانی کا رروانی سے بچنے کے لیے وہ اپنے گھرے کی طرف بھاگی جہاں طارق ابھی ابھی تیار ہو کر پرفیوم اسپرے کر رہا تھا۔

”پلیز مجھے چھپا لیں۔“ وہ اس کے اور ڈرنگ نیمبل کے درمیان آگئی ریڈ چوڑی دارپا سجاے نیٹ والی پہلی قمیص اور سرخ دوپٹے میں ملبوس وہ لمبے بالوں کو پراندے میں جکڑے سینے پہ ڈالے کھڑی اس کی مدد کی منتظر تھی طارق کا دل بے ایمان ہو گیا کچھ بھر میں

اس کے بازو نرم کے گرد حائل ہو گئے۔

”ہائیں چھپا لیا کوئی اور حکم۔“ وہ شرارت سے بولا تو وہ روئے کو ہو گئی باہر سے دوڑنے قدموں کی چاپ اس طرف آ رہی تھی طارق کو سمجھنا پڑا وہ تو پورا جلوس تھا نرم سے بدلے لینے کا منصوبہ بناتا ہوا۔

”پلیز کچھ کر سناں وہ ابھی سب میرے کپڑے غراب کر دیں گے۔“ وہ بدحواس ہو رہی تھی جونہی باور اندر آیا طارق بولا۔

”تم نرم کو ذرا میرے پاس بھیجو“ وہ اپنے قدموں پر ہانپنے کو بھاگا کہ نرم ادھر نہیں ہے وہ پردے کے پیچھے سے اٹھ آئی تھی۔

”تھنکس گاؤں بچت ہو گئی ورنہ خیر نہیں تھی۔“ وہ شکر کر رہی تھی۔

”آپ میں شرارت کے جراثیم بھی پائے جاتے ہیں بالکل نئی چیز ہے میرے لیے۔“ وہ بولا۔

”ہاں بھی میں بہت شرارتی تھی سب کہتے تھے کہ لکڑی نہیں ہے تم میڈیکل کی اسٹوڈنٹ ہو انہیں تو مولی مولی کہتوں سے ہی فرصت نہیں ملتی کجا کہ شرارتوں کے لیے ٹائم نکالیں پھر بہت برا وقت آیا میرے اور سب ہنسی و شرارت کہیں کھو گئی۔“ وہ اب بالکل بدلی بدلی لگ رہی تھی طارق کو افسوس سا ہوا ہنسی مسکراتی خوش باش لڑکی کے روپ میں وہ کتنی اچھی لگ رہی تھی۔

”میری ہنسی میری مسکراہٹ واپس لا دیں۔“ وہ آج پھر سڑیکل ہو رہی تھی۔

”تم ظالم دیو ہو جس نے میری ساری خوشیاں ملیا میٹ کر دیں میں تم سے ہمیشہ نفرت کرتی رہوں گی ہمیشہ تمام عمر تک۔“ وہ اس کے گریبان کو پکڑے جھٹکے دیتی اپنے آپ میں نہیں لگ رہی تھی طارق کو یوں لگا کہ ہمیشہ ناکام رہے گا۔

♥ ♥ ♥ ♥

ڈاکٹر زیدی سے کافی عرصے تقریباً سال بھر بعد اس کا سامنا ہو رہا تھا وہ پوہی اس ضدی لڑکی کا جائزہ لینے آیا تھا جس نے اس کی تمام آفرز کو حقارت سے ٹھکرا دیا تھا نرم کی شادی کی اطلاع اس کے لیے سپرائزنگ

ہی تھی طارق بھی اتفاق سے ادھر ہی تھا اقبال نے بتایا کہ یہی اس کا شوہر ہے زیدی طارق کے تمام خاندان سے آگاہ تھا ٹھکرائے جانے کی ذلت طارق کو دیکھ کر اور بھی دوچند ہو گئی تھی اس جیسا ہینڈ سم و مضبوط پارٹنر اسے کیوں ملا تھا؟ یہ ملال اسے مارے دے رہا تھا۔ جب نرم نئی نئی مقامی ہسپتال میں ہاؤس جاب کے لیے آئی تو اس کے ان چھوٹے حسن نے وارڈ پوائنٹ سے لے کر جعدار اور جعدار سے لے کر ڈاکٹر تک کو متاثر کیا یہاں ہاؤس جاب کے لیے آنے والی اکثر نئی لڑکیاں زیدی کی چالوں میں الجھ گئی تھیں نرسوں کی تو اہمیت ہی نہیں تھی اس بڑے ہسپتال کی بلند دیواروں کے پیچھے جو گھناؤنا کھیل کھیلا جا رہا تھا اس نے نرم کو لرزادیا تھا اس کے پاس محض انا اور عزت نفس تھی ڈاکٹر شانزہ نے اسے ہتے ہتے بتایا تھا۔

”گر ڈاکٹر زیدی کو خوش کرو تو وہ ہاؤس جاب کے بعد تمہیں باہر کے کسی ملک میں بھجوا دیں گے مجھے دیکھو تین ماہ سونٹورلینڈ میں گزارے ہیں نیا گھر اور گاڑی بھی خرید لی ہے ڈاکٹر فرح بھی دعوتی میں دونوں ہاتھوں سے ریاں سمیٹ رہی ہے میری مانگو تو تم بھی یہ ضد چھوڑ دو ایمان سے ہزاروں ڈالر صرف تمہاری تنخواہ ہوگی۔“

شانزہ کے وجود سے اسے گھن آنے لگی۔

”پلیز چپ ہو جاؤ۔“ وہ کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر چلائی۔

”ہمارے ہسپتال کی تو نرسیں بھی عیش کر رہی ہیں۔“ وہ باز نہیں آئی اسے رام کرنے کی تمام کوششیں بیکار گئیں اس کی ہٹ دھرمی کے نتیجے میں ڈاکٹر زیدی نے اسے گاؤں کے ہسپتال میں بھیجا تھا سب نے اسے خوفناک نتائج کی دھمکیاں دیں جو اب اس نے کہا۔

”میں ایک نامی گرامی وکیل کی بیٹی ہوں میرے ساتھ کچھ کرنے سے پہلے سو بار سوچنا پڑے گا۔“ ڈاکٹر زیدی بھی احمد ابراہیم مضبوط پوزیشن کے باعث خاموش تھا ورنہ وہ کہاں بچھا بیٹھنے والا تھا۔ متوسط طبقے کی لڑکیاں جن کے ماں باپ اوہارے لے کر اور اور ٹائم

بات ہے مرے مرے قدموں سے وہ اس کے اشارے پہ اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

”جب گاؤں میں میں نے تمہیں دیکھا تو دل میں پسندیدگی کی لہر بھانپتے ہوئے بے پناہ خوش ہوا کہ میری پسند ایک مضبوط کردار کی لڑکی ہے اتنے مضبوط کردار کی لڑکی کہ جو فضول قسم کے گانے بھی سننا گناہ سمجھتی ہے محض اتنی سی بات پہ وہ لڑکی ایک مرد کے انتقامی جذبول کا شکار ہو گئی جب میں نے تمہیں دوبارہ دیکھا تو تم پہلے سے بڑھ کر مضبوط لگیں، تمہیں اپنانے کا خیال روز بروز میرے دل میں جڑ پکڑ گیا میں حقیقی معنوں میں اپنے اس گھنیا فعل پہ شرمندہ ہوا تم سے معافی مانگی اور تمہیں اپنی زندگی میں شامل کر لیا تم مجھے بہت برتر اور اپنا آپ کمتر لگتا کہ میں ہلکے کردار کا ہوں تم سے چاہت اس اتنا تک بڑھ چکی تھی کہ تمہاری مرضی کے بغیر میں نے تمہیں چھوٹا بھی گوارا نہیں کیا حالانکہ تم میرے قبضے میں تھیں اور میں ایک زور آور مرد تھا پھر یہ کہ میری اتنا بڑھنے لگی تھی تمہاری خواہش پہ تمہارے گھر والوں کے سامنے تمہیں اغوا کیے جانے والا راز کھولنے پہ تیار ہو گیا تھا تاکہ تم سر اٹھا کر جی سکو مگر زیدی مجھے مل گیا آج پہ چلا کہ میں تو خواہ مخواہ احساس کمتری کا شکار رہا جس لڑکی نے میرے سامنے نام نہاد پار سائی و مضبوطی کا ڈرامہ رچا رکھا ہے وہ تو بڑی گئی زری ہے۔“

طارق کے سبب اور نگاہوں میں بڑی نفرت تھی جس نے زیم کو لرزادیا۔

”وہ وہ جھوٹ بولتا ہے اس لیے کہ میں نے اسے منہ لگانا گوارا نہیں کیا تھا۔“ اس نے کتنا چاہا مگر وہ بات کٹ گیا۔

”اس وقت میرے سامنے سے چلی جاؤ شاید میں تمہاری جان ہی لے بیٹھوں۔“ وہ بڑا جھوٹی لگ رہا تھا۔

تمام رات لٹنڈ میں بیٹھے رہنے کے باعث صبح زیم کا جسم نور کی طرح تپ رہا تھا وہ نیم بے ہوش سی تھی جب نوکرانی نے اندر جا کر سب کو یہ خبر دی رقیہ بڑی اماں اور دیگر افراد خانہ بھاگے بھاگے آئے فوراً اسے

لگا لگا کر انہیں پر مچاتے وہ اونچے اونچے خواب سجائے ہاؤس جاب کے لیے آتی تھیں خوابوں کا بیوپاری ڈاکٹر زیدی بڑا گھگ اور تجربے کا رتھانی گرامی ڈاکٹر تھا مگر طبعاً ”بست گھٹیا شخص تھا ہاسپٹل میں آنے والی شاید ہی کوئی نرس یا ڈاکٹر اس سے محفوظ تھی ہاں جن کے گارجین مضبوط حیثیت کے مالک تھے ان کی طرف وہ نگاہ نہیں ڈالتا تھا زیم کے ساتھ ہونے والی ٹوچڈی سے وہ آگاہ تھا اس لیے اس کے پیچھے لگا ہوا تھا مگر وہ دامن بچا گئی تھی آج یوں اسے معتبر گھرانے کی بہو کے روپ میں دیکھ کر اسے تمام ناکامیاں ایک ایک کر کے یاد آنے لگی تھیں۔

”زیدی صاحب آپ کیسے ہیں۔“ وہ اسے یہاں پا کر خوشگوار حیرت سے دوچار ہوا۔

”بالکل ٹھیک اے ون بس یہاں کا جائزہ لینے آیا تھا کہ مجھے بڑی شکایات مل رہی تھیں ڈاکٹر زیم کے بارے میں میرے ہی ہاسپٹل میں کام کرتی تھی ہر ڈاکٹر کے ساتھ اس کا افسوس تھا اس لیے تو میں نے اسے یہاں بھیجا تھا کہ اس کے ہوش ٹھکانے آجائیں مگر وہ باڑی نہیں آئی سب کہہ رہے ہیں کہ وہ یہاں کا ماحول بھی خراب کر رہی ہے۔ ویسے ایک بار وہ اغوا بھی ہو چکی ہے۔“ زیدی نے ناک ناک کر نشانے لگائے تھے طارق کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا کیا زیم اتنے ہلکے کردار کی ہے اسے لیے بنا وہ واپس آیا بڑی اماں نے پوچھا تو اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر دیا درحقیقت اس وقت اس کے اندر بھانجھ جمل رہے تھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ساری دنیا کو تس تس کر ڈالے۔

زیم آج ڈاکٹر زیدی سے بڑے اعتماد سے ملی تھی طارق کا ساتھ اسے بہادر بنا گیا تھا واپسی پہ اس کی گاڑی نہ پا کر وہ وقتی طور پر پریشان ہوئی۔ اس نے اندر داخل ہو کر لائیٹ جلائی تو طارق سیدھا ہوا اس کی لہو رنگ ہوتی آنکھیں دیکھ کر زیم کو واقعی اس سے خوف سا محسوس ہوا۔

”دروازہ لاک کر کے میرے پاس آؤ۔“ اس کا لہجہ بے پناہ سرد تھا زیم جان گئی کہ ضرور کوئی ایسی وکی

اٹھا کر اندر پہنچایا گیا طارق ابھی تک سو رہا تھا شور سے اس کی آنکھ کھلی بڑی مشکل سے ٹکولا زور کھانے کے بعد اسے نیند آئی تھی بیداری پہ ڈاکٹر زیدی کے تلخ الفاظ پھر ذہن میں گونجنے لگے کسی نے بڑے زور سے اس کے کمرے کا دروازہ بجایا تو وہ واپس لوٹا یا ہر عمارہ تھی از حد سنجیدہ چہرے کے ساتھ۔

”طارق یہاں کی بڑی اماں اور چچی آپ کو بلا رہی ہیں۔“ وہ بات گئی اس نے ایک لگاوا اپنے پر مڑ دیا چہرے پہ ڈالی اور پھر نئی باتوں کو اچھے سے سنوارا اچھا آیا۔

”طارق میں یہ کیا دیکھ رہی ہوں۔“ اس کی ماں کی آواز میں ہالہال تھا انہوں نے سامنے بے سندھ پڑی زیم کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

”راست ہماری ملی پہلی گھڑی ہو گئی تھی یہ خود ہی ناراض ہو کر اپنی پہلی گھڑی میں ہے اور ہاں امی آپ بھی پھیل رہی ہیں یہاں سے یہ مر نہیں جائے گی“ اس بار اس کے منہ میں بہت سلاکی تھی رقیہ اس کا چہرہ دیکھ کے کالپ لگیں وہ سب لڑکیاں بھی حیران رہ گئیں وہ دم کو دھتکتی آئی تھیں۔

شام کو اگر طارق الی زیم کا شمار ہوں گا توں تھا وہ کافی جراتور تھی کہ ایک رات میں ایک اسے کیا ہو گیا ہے اس کی رائے کے مطابق زیم کو کوئی سخت ذہنی نہیں مل سکتی اور وہ والی نہیں کیا ہو سکتی ہے اتنا چاہنے والا مضبوط و دلدارم شوہر صحت کرنے والی سسرال ایک عورت کا گھرانہ کیا اچانک تم ملا تھا؟ طارق غالب تھا وہ اس سے اتنا بڑھ چکی تھی چارچہ ملاقاتوں میں وہ اس سے کافی بے تکلف ہو گئی تھی شرمین سادہ اور صوفی اس کے بات کر دار ہونے کے بارے میں اس پر اس کے کالوں میں اندیشہ رہتی تھیں وہ اسے کھلی تکلف لگا دے فوراً اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ انہوں نے اسے اس کے اپنے خوابوں میں طارق کو سہا لیا تھا اس کے آرام سے بات کرنے کا انہوں نے غلط مطلب لیا تھا ہاں اس کی ظاہری شخصیت ضورانی تھی کہ اسالی سے لفظ بھی کا شکار ہوا جاسکتا تھا وہ بھی تو اس کی موافقت و جاہت اور برسنائی سے متاثر ہوئی تھی طارق کے کہیں اور اچھے قدم دیکھ کر

وہ سمجھدار لڑکی سنبھل گئی تھی۔

”میں اب چلتی ہوں میرا خیال ہے کہ تھوڑی دیر بعد اسے ہوش آجائے گا۔“ عفراتھ کھڑی ہوئی رقیہ اسے گاڑی تک چھوڑنے آئیں۔

عفراتھ کہنے کے مطابق تھوڑی دیر بعد وہ واقعی ہوش میں آگئی اپنے ارد گرد سب چہروں کو دیکھ کر اسے از حد شرمندگی ہوئی ”سارہ مجھے میرے کمرے میں پہنچا دو سب کے سامنے لینے سے مجھے عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔“ اس نے منت کی کمزوری اس قدر تھی کہ سارے کے بغیر اس سے ایک قدم تک نہیں اٹھایا جا رہا تھا رقیہ نے زبردستی اسے ڈبل روٹی کے دو پیس کھائے رات تک سب کافی دیر اس کے پاس بیٹھے رہے ہلکی پھلکی باتیں کر کے اس کا دل بھلایا جاتا رہا طارق کے آنے پر اسے دواؤں کی تفصیل بتا کر سب نے اپنے اپنے کمروں کی راہ لی۔

”تم تو بڑی کمزور لگتیں میں تمہیں بڑی سخت چیز سمجھتا تھا جو کئی ماہ تک میری ایک بات نہ سن سکی۔“ وہ کرسی اٹھا کے بند کے سامنے بیٹھ گیا تا نکلیں اٹھا کے اس کی طرف کر تیں یوں کہ وہ زیم کے بازو اور شانے سے ٹچ ہو رہی تھیں وہ قدرے پرے ہو گئی اور کروٹ ہی بدل لیا اس کی زہر بھری باتیں سننے کی اس میں ہمت ہی نہیں تھی۔

”تھوڑا پی لو میں فی الحال تمہیں زندہ ہی رکھنا چاہتا ہوں۔“ وہ سختی سے اس کے بازو کو پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے بولا تو زیم کے اندر صبر کی طاقت دم توڑ گئی۔

”آپ نے ڈاکٹر زیدی کے حوالے سے مجھے جو کچھ کہنا ہے ایک بار ہی کہہ لیں میرا اب اس مکر وہ کردار شخص سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ آنکھوں سے اچانک پھسل آنے والے آنسوؤں کو اس نے آستین سے صاف کیا۔

”میری جان تعلق بننے نہیں بنائے جاتے ہیں“ وہ سیدھا اس کی روٹی روٹی آنکھوں میں جھانک رہا تھا زیم کو بے پناہ ضبط سے کام لینا پڑا ابھی کچھ دنوں پہلے ہی وہ سنجیدگی سے اس کے بارے میں سوچنے لگی تھی

کہ گزشتہ تلخ باتیں بھول کر اسے طارق کو بے بسی کے گرداب سے نکال لینا چاہیے وہ یقیناً "اس کا احسان مند ہونا اس کی ہریات سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نرم کو واقعی چاہنے لگا ہے اور اسے اس چاہت کی قدر کرنی چاہیے ڈیڈی" امی بھائی سب اس کی شادی کے بعد کتنے خوش اور آسودہ دکھائی دینے لگے تھے طارق سے اسے جو نفرت تھی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ وہ اتنا قابل نفرت بھی نہیں تھا اس کی مہربانی کہ وہ اسے جوں کا توں واپس چھوڑ گیا ہاں اس کا طریقہ ضرور غلط تھا اس کی سزا بھی تو بھگت رہا تھا صغیر کی سزا سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ہوتی مجھے آگے بڑھ کر اسے یہ مڑہ سنا دینا چاہیے کہ میں نے تمہاری انا کو ہارنے نہیں دیا ہے۔ مگر اس سے پہلے ہی نہ جانے یہ زیدی کہاں سے ٹپک پڑا تھا جس نے طارق کو شک کی وادیوں میں لا کھڑا کیا تھا وہ یکسر بدلا ہوا طارق تھا "مجھے دیں میں خود دو اپنی بیٹی ہوں" اس نے ہاتھ آگے کیا۔

"نہ جانے کس لیے خود کو یوں بچا بچا کر رکھتی ہو کیا مجھ سے۔" اس کا اگلا جملہ اور وار دونوں معنی خیز تھے نرم بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"تم نے مجھے اتنا ڈس ہارٹ کیا کہ میں اس بیزروم میں سونا بھی تمہاری توہن تصور کرتا تھا تمہاری طرف بڑھتے قدم یہ سوچ کر روک لیتا کہ یہ قدم بہت آگودہ ہیں میں تو تمہارے لیے خود کو بہت خالص بنا رہا تھا اتنا خالص کہ تمہارا ہاتھ تھامتے ہوئے مجھے شرمندگی نہ ہو مگر تم تو خود نری گند ہو غلاطت کی پوٹ ہو۔" طارق کے جملے تھے کہ آگ اس کا رواں رواں جلنے لگا۔

"نہیں نہیں یہ جھوٹ ہے۔" وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر چلائی اور ایک دم ہی طارق کے لبوں پر کمال جرات سے اپنا ہاتھ رکھ دیا اس کی کانٹنی ہتھیلی کی نرمابٹ طارق کے لیے یقیناً "نئی بات" تھی مگر وہ پل بھری میں جذبات کے گرداب سے نکل آیا۔

"دیکھیں آپ بہت بڑی غلط فہمی کا شکار ہیں ڈاکٹر زیدی اچھا آدمی نہیں ہے کمزوروں سے فائدہ اٹھانا اس کے بائیں ہاتھ کا ٹھیل ہے اس نے مجھ سے بھی اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل چاہی تھی جواباً "میں نے

انکار کیا تو وہ۔۔۔"

نرم نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیے تھے۔

"آپ میرا یقین کریں ناں۔" اس نے طارق کا دایاں ہاتھ اپنے رخسار سے لگا لیا تھا۔

"یہ مکار لڑکی اس طرح مجھے راہ پر لانا چاہتی ہے کہاں تو اپنا ہاتھ پکڑنے نہیں دیتی تھی اور اب اس طرح۔" طارق نے جھٹ اپنا ہاتھ الگ کیا۔

"خیر جھوٹ سچ کا پتہ میں خود ہی لگا لوں گا۔" وہ لائیٹ آف کر کے دروازہ ہو گیا۔

♡ ♡ ♡ ♡

"اس ڈاکٹر نرم نے تو ہمیں سارے عیش و آرام ہی بھلا دیئے ہیں مزے سے گھر بیٹھ کر تنخواہ وصول کرتے تھے بہت ہوا تو مینے میں ایک دوبار چکر لگا لیا اس میں بھی اپنا فائدہ تھا وہ اسیوں کا اسٹاک جو آتا تھا اسے الگ سے بچ کے پیسے کھرے کرتے تھے نہ کوئی فکر نہ پریشانی مگر جب سے وہ آئی ہے قسم سے گھن چکر بنا کر رکھ دیا ہے جوڑ جوڑ آرام کو ترس گئے ہیں ہر وقت کام کرائی ہے یہ کروہ کرو فلاں مریض کو دیکھو فلاں کو اینڈ کرو۔" اقبال "نرمین" صوفیہ اور ساجدہ چاروں نرم کے خلاف زہر اگل رہے تھے اس کے خلاف بہت سے انتقامی جذبات ان کے ذہنوں میں پرورش پانے لگے تھے جس پر عمل درآمد کرنے کا ان کا پکا ارادہ تھا ڈاکٹر زیدی نے بھی بہت سے غلط باتیں یہاں کے عملے کے ذہن میں بٹھادی تھیں۔

وہ آرام سے اپنے کارڈز ٹھیل چکا تھا نرم کے حوالے سے اسے بہت بڑا فائدہ حاصل ہونے کی توقع تھی اس کے ہاسپٹل میں بڑے نامور لوگ علاج کے لیے آتے تھے ٹیٹل ایٹ کے ایک ملک سے سرکاری وفد پاکستان کے دورے پر آیا تو ایک عرب سچ کی طبیعت بگڑ گئی اسے علاج کے لیے زیدی کے پاس لایا گیا نرم بھی وہیں ہاؤس جاب کر رہی تھی عرب سچ کو وہ اس قدر بھائی کہ وہ اس کے لیے اپنی دولت کا آدھا حصہ لٹانے پر تیار ہو گیا اس نے زیدی سے مدد مانگی زیدی نے نرم کو سمانے خوابوں کے لالچ دیئے مگر وہ

اس کی پیش کش کو خاطر میں ہی نہیں لائی اگر وہ مان جاتی تو زیدی ملک کے چند متمول لوگوں میں سے ایک ہوتا اس وقت سے وہ نرم سے اور بھی زیادہ خار کھانے لگا تھا۔

"کل ڈاکٹر صاحبہ کا فون آیا تھا کہ وہ آج آجائیں گی جلدی کرو ایسا نہ ہو کہ ہمیں باتیں کرتے دیکھ کر پارہ اور بھی ہائی ہو جائے۔" اقبال نے انہیں اٹھایا واقعی آدھے بجے بعد وہ آگنی خلاف معمول وہ کافی تھکی تھکی لگ رہی تھی گلابی رنگت میں زیدی سی کھل گئی تھی آنکھیں بھی اندر دھنسی ہوئی تھیں پھر سارا دن وہ تندرستی سے مریضوں کو دیکھتی رہی ساتھ والے گاؤں سے ایک ایمر جنسی کیس آیا تھا کوئی عورت تھی جو شدید زخمی تھی منجی کی زیم اب دوسری صبح کے چار بجے فارغ ہوئی تھی ٹھکن سے برا حال ہو رہا تھا مگر کامیاب آپریشن کی بڑی خوشی تھی یہ ایک احساس تھا کہ وہ اسٹاف روم میں ٹھیل پہ ہی سر رہے سو گئی۔ گھر فون کرنا اسے یاد ہی نہیں رہا طارق بارہ بجے آکر پتہ کر گیا تھا اسے معلوم ہو گیا کہ وہ اندر آپریشن تھیں نہیں ہے پھر بھی اسے بہت غصہ آیا کسی طرح چین ہی نہیں آ رہا تھا وہ دوبار اس وقت آیا جب وہ ٹھکن سے بے حال ہوئی ٹھیل پہ سو رہی تھی ڈاکٹر عفران بھی اپنے کمرے میں جا چکی تھی البتہ نرمیں وہاں تھیں اس وقت وہ کسی سے بھی خوش اخلاقی بکھارنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"نرمین انھو۔" اس نے آہستگی سے اس کا شانہ ہلایا تو وہ ہڑپڑ گئی۔

"مجھے نیند آرہی ہے۔" وہ دوبارہ مدہوشی میں ڈوب گئی۔

"میں کہتا ہوں انھو" وہ اب سختی سے بولا تو جھٹ اس کی آنکھیں کھل گئیں طارق کے حلیے سے لگ رہا تھا کہ وہ نیند کی قربانی دے کر آیا ہے۔ وہ باہر نکل کے کپکپا سی گئی سردی زوروں پہ تھی مینے کی آخری تاریخوں کا چاند کہیں کہیں سے چھانک کر اندھیرے کا سینہ چاک کرنے کی ناکام کوششیں کر رہا تھا اس کی ساری نیند بھاگ گئی اس نے شکر کیا جب گرم گرم

کمرے میں بیٹھ کے آگے بیٹھی۔

"جب آپریشن ختم ہوا تو تم نے مجھے فون کیوں نہیں کیا کیا وہاں سونے کو زیادہ دل چاہ رہا تھا۔" وہ آتے ہی شروع ہو گیا۔

"۴ صبح میں ٹھکن بہت زیادہ تھی۔" اس نے صفائی دینے کی اپنی سی کوشش کی۔

"بہت خوب اور ادھر میں جو رات بھر سے جاگ رہا ہوں بارہ بجے بھی پتہ کرنے گیا تھا۔" اس نے بے تپے لہجے میں بتایا تو وہ اس کے لہجے پہ الجھتی اسے دیکھنے لگی یعنی وہ اس قدر اہم ہے کہ طارق جیسا شک کی آگ میں جلتا مرد رات بھر سے جاگ رہا ہے اور اتنی سخت سردی میں جب بستر چھوڑنے کو ہی جی نہیں چاہتا وہ دوبار اس کا پتہ کرنے گیا ہے اس کے اندر کوئی نرم سا پھول کھلا مگر پھر فوراً ہی مریض بھی گیا کہ اس کی ذات شک سے بالاتر نہیں ہے جیسی تو وہ دوبارہ گیا۔

♡ ♡ ♡ ♡

طارق شہر آیا ہوا تھا وہیں لہنی میں اس سے ایک دوست ملا گیا ایس بی رحیم مرزا اس کا کلاس فیلو وہ چکا تھا بڑا ایماندار اور ذہین آفسر تھا وہ زبردستی اسے گھر لے آیا۔

"۴ اور سناؤ کیسی گزر رہی ہے۔" طارق نے ایزی ہو کر پوچھا۔

"نہ پوچھو یا کیسی گزر رہی ہے اس زیدی والے معاملے نے مجھے چکرا کر رکھ دیا ہے۔" وہ سر پہ ہاتھ مارتا پریشانی سے بولا طارق کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ زیدی والا معاملہ کیا ہے بھی تو اس نے جھٹ اگلا سوال کیا۔ رحیم کا جواب حیرت زدہ کرنے والا تھا کم از کم اسے۔

"یاری کی ڈاکٹر زیدی جس کی قابلیت کی دھوم مچی ہے بین الاقوامی اخبارات و جرائد جسے بڑی کوریج دے رہے ہیں اس ہاسپٹل اور ٹیک ٹائی کی آڑ میں اس نے مجبور و بے بس لڑکیوں کی عصمتیں لوٹ کر بڑی دولت بنائی اور نام پیدا کیا ہے کئی ایماندار صحافی اس وقت زیدی کے پیچھے ہیں ہمیں بھی اوپر سے آرڈر ملا ہے میری اسسٹنٹ امبرین نرس کے روپ میں

ہاسپٹل میں ہے اور مجھے پل پل کی رپورٹ پہنچا رہی ہے میں اس وقت سے ڈر رہا ہوں جب اخبارات اس ہاسپٹل کی حقیقت کھولیں گے یہ ہاسپٹل کیا ہے بڑے بڑے لوگوں کا دل بسلانے کا عشرت کدہ ہے شریف ڈاکٹر خاموشی سے اس معاملے سے الگ ہو گئی ہیں۔

رحیم بول رہا تھا اور طارق فق ہوتے چہرے کے ساتھ سن رہا تھا۔

”یار میں ان تمام لڑکیوں کی جرات کو سلام کرتا ہوں جنہوں نے زیدی کے مذموم ارادوں کے آگے ہار نہیں مانی ہے انہی میں ایک ڈاکٹر زیم بھی ہے ایڈووکیٹ احمد ابرار کی بی بی بے چاری کے ساتھ بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے جب وہ میڈیکل کی طالبہ تھی تو کسی کینسر خفا شخص نے اس شریف لڑکی کو اغوا کر لیا تھا یہ بات زیدی کو معلوم ہو گئی تھی اسی آڑ میں وہ اس کے اوپر ریشہ ڈالنا چاہتا تھا پھر میں نے سنا کہ زیدی نے اسے کسی دور دراز گاؤں کے سہولیات سے محروم ہاسپٹل میں بچھو دیا اس سے آگے کی کہانی مجھے معلوم نہیں ہے۔“

طارق کے دماغ میں مسلسل دھماکے ہو رہے تھے اگر اسے رحیم نہ ملتا تو جانے کیا ہوتا خاصی دیر بعد وہ خود کو سنبھال سکا۔

”رحیم ڈاکٹر زیم میری وائف ہے ابھی چند ماہ پہلے ہماری شادی ہوئی ہے تم اتنا اسے تم سے مل کر بڑی خوش ہوگی۔“ اب ایک حیرانی رحیم کی نظر تھی۔ ”تم نے بتایا تک نہیں اور چپکے چپکے شادی بھی رچالی دیے زیم اچھی لڑکی ہے میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔“ رحیم کو افسوس ہو رہا تھا کہ تاحق اس نے طارق کو اس کی اغواء کی کہانی سنائی وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتا مسلسل اس تاثر کو زائل کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔

محکمہ صحت کے وزیر کو اقبال نے جو خط لکھا تھا کسی طرح وہ خط عفرائے ہاتھ لگ گیا ادھر شہرین نے خدمت کمپنی کے ممبران کو گمنام کال کے ذریعے ڈاکٹر

زیم کے بارے میں جھوٹی اطلاعات دیں اگر وہ خط پوسٹ ہو جاتا تو زیم کی ساری ٹیک نامی بھاپ بن کر اڑ جاتی اس میں لکھا ہوا تھا کہ ڈاکٹر زیم ہاسپٹل میں آنے والے دو ایسوں کے اسٹاک اپنے قبضے میں کر لیتی ہے اور اس کی جگہ دو نمبروائیاں رکھوا کر مریضوں کی صحت سے چھلپتی ہے اور بھی اس طرح کی باتیں تھیں وہ ابھی یہ خط لیے پریشانی کے عالم میں کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ اسے او ڈی سی کے آنے کی اطلاع ملی اسے جو کچھ کرنا تھا جلد کرنا تھا۔

”طارق صاحب پلیز جلدی ہاسپٹل پہنچیں۔“ جیسے ہی وہ کھیر لوٹا عفرائے کال آئی ”یقیناً“ کوئی غیر معمولی بات تھی۔

”عفرائے اب کیا ہو گا میں نے کچھ نہیں کیا ہے تم جانتی ہو کہ یہ جھوٹ ہے میرے خلاف سازش ہے۔“ وہ بری طرح رو رہی تھی۔

”کچھ نہیں ہو گا میں نے چوبدری طارق کو کال کی ہے وہ دیکھو وہ آچکے ہیں۔“ اس نے کھڑکی سے باہر اشارہ کیا تو زیم اور بھی پریشان ہو گئی نہ جانے اب کیا ہونے والا تھا وہ پہلے ہی بد گمانیوں کی زد میں تھا جو کسر رہ گئی تھی اب پوری ہونے والی تھی عفرائے یہ کیا کیا تھا اسے اور بھی زیادہ رونا آ رہا تھا۔

طارق نے سب کچھ خود ہی قلیل کر لیا تھا زیم کی جان اس نے آسانی سے چھڑائی تھی ہاں اقبال اور ان تینوں نرسوں کو پوری پوری سزا دلوانے کا ارادہ تھا جنہوں نے یہ منصوبہ بنایا تھا۔

”زیم فوراً اپنا استعفیٰ لکھو۔“ وہ اندر آیا تو بے انتہا سنجیدہ لگ رہا تھا وہ پچھاری ڈر گئی کہ نہ جانے کیا بات ہوئی ہے جو اسے استعفیٰ لکھنے کو کہا جا رہا ہے۔ طارق نے عفرائے کو باہر آنے کا اشارہ کیا زیم ڈھیلے ڈھیلے ہاتھوں سے کانڈیپ فلم کھیٹ رہی تھی۔

”عفرائے تھینک یو ویری میچ آپ نے مجھے بہت بڑی پریشانی سے بچا لیا ہے۔“ وہ ممنون و مشکرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ زیم بہت اچھی اور ہمدرد لڑکی ہے اس نے اپنی پروا کیے بغیر اس

ہاسپٹل کو سنوارا اسی وجہ سے لوگوں کا اعتماد بحال ہوا میں کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ ایک بے گناہ لڑکی سزا جھیلے۔“ وہ آہستہ آہستہ بول رہی تھی۔

”میں نے بہت پہلے سے یہ سوچ رکھا تھا کہ زیم کو کوئی اچھا سا تحفہ دوں گا ایک بار میں اپنی زمینوں کا جائزہ لینے نکلا تو جھٹ میرے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ زیم کو ایک ہاسپٹل تحفے میں دیا جائے کافی عرصے سے اس پر کام ہو رہا ہے۔ میں نے زیم کو ابھی تک اس بات کا پتہ نہیں چلنے دیا ہے وہ خود جب اس کا افتتاح کرے گی تو جان لے گی میں آپ کو سب سے پہلے وہاں جاب آفر کرتا ہوں۔

میں نے اس ہاسپٹل کے کرتا دھرتا افراد سے مواہل یہ بات کی ہے انہوں نے ذمہ دار اور ایماندار عملے کو یہاں تعینات کرنے کا وعدہ کیا ہے۔“ طارق نے اسے بتایا تو وہ ہلکی پھلکی سی ہو گئی زیم کی خوش قسمتی میں کلام نہیں تھا اندر وہ استعفیٰ لکھ چکی تھی نہ جانے طارق اسے کیا سزا دینے والا تھا۔

”ہاں ٹھیک ہے۔“ وہ کانڈیپ نظر دوڑاتے ہوئے مطمئن انداز میں بولا۔

”ڈاکٹر عفرائے بہت جلد آپ کو بھی ایسا ہی استعفیٰ لکھنا پڑے گا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”میں طارق صاحب میں استعفیٰ نہیں لکھوں گی اگر سارے ایماندار ادھر چلے گئے تو ادھر کا کیا بنے گا ویسے میں میدان سے بھاگنے کے بجائے مقابلہ کرنے کی قائل ہوں نیکی، سچائی اور ہمت اپنا آپ منوائی لیتی ہے جیسے اس وقت ہوا ہے۔“

”بہت خوب بہت خوب مجھے آپ کے خیالات نے متاثر کیا ہے واقعی کچھ ایماندار ادھر بھی ہونے چاہئیں تاکہ بیلنس رہے۔“ وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا زیم ان کی مبہم گفتگو سے کوئی نتیجہ اخذ نہ کر سکی۔

بڑے دنوں بعد آج اسے شرجیل بھائی اور امی کی شکل نظر آئی تھی ان کے سینے سے نکلے ہی اس کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے وہ ننھی سی بچی کی طرح سک رہی تھی جس کی ہاں کی آغوش چھن گئی ہو رضوانہ بیگم اور شرجیل کو اس کے اس دکھ کا بخوبی

احساس تھا جو تین چار برسوں سے اس کے سینے میں پل رہا تھا نظروں سے کرے جانے کا دکھ بہت بڑا ہوتا ہے وہ اسی کے ہاتھوں بے حال تھی شرجیل کو احساس ہو رہا تھا کہ انہیں بہن کا موقف سن لینا چاہیے تھا اسے کتے کی طرح دھک کار نہیں دینا چاہیے تھا بہن بھی ایسی جس کی پاکیزگی کی قسمیں کھالی جاتی تھیں بہت دیر تک وہ اس کا سر محبت سے سہلاتے رہے ان ہاتھوں میں آج محبت کا احساس تھا وہ شانت ہو گئی۔

رات کے کھانے کے بعد رضوانہ اور شرجیل جلد ہی سو گئے اتنا لبا سفر کر کے آئے تھے جسمانی محنت بے پناہ تھی نرم گرم بستر میر آتے ہی نیند نے آلیا تھا لاؤنج میں سب جمع تھے وی سی آر پر گانے چل رہے تھے خاور کا بیٹا بیٹو جھوم جھوم کر گاربا تھا۔

چولی کے پیچھے چولی کے پیچھے چولی کے نیچے ہے پراندہ چولی کے نیچے میں دل اڑکا

زیم کو اندر آتے دیکھ کر خاموشی چھا گئی ٹیپو کی زبان رک گئی طارق آہستگی سے اس کے کان میں بولا۔ ”تمہاری آنٹی کو ایسے گانے پسند نہیں ہیں۔“ ٹیپو نے وی سی آر آف کر دیا۔

”آئی ایم سوری آنٹی آئندہ ایسے گانے نہیں سنوں گا۔“

”ہاں بھی زیم تم نے خوب ان کا برین واش کیا ہے مجھے یقین ہے بہت جلد یہ شنبیل جا میں گے ٹیپو کی شرمندگی حوصلہ افزا ہے۔“ خاور کہہ رہا تھا۔

”ہاں بھی زیم تم نے تو ہمارے گھر میں سب کو باذوق بنا دیا ہے اچھی شاعری اور میوزک کا مینس دیا ہے جو چہر پار بار سنی جائے دل پہ ضرور اثر کرتی ہے اگر اچھا گانا اچھی شاعری سنی جائے گی تو دل و دماغ بہت اثرات مرتب کرے گی واقعی ہمارا اسلام بلاشبہ عظیم ترین مذہب ہے جذبات کو برا لگیتا ہے۔“ کر دینے والی موسیقی نہ سننے میں بھی ایک حکمت ہے میں نے آج ہی اخبار میں ایک ڈاکٹر کی رائے پڑھی ہے جو کہتا ہے

کہ اچھی اور سچی شاعری انسان کو مذہب کی طرف زیادہ راغب کرتی ہے۔ بابا علی شاہ سلطان باہو اور غلام فرید کی کافیاں سن کر لوگ کیسے وجد میں آجاتے ہیں اس کے برعکس گھٹیا شاعری اور گھٹیا میوزک انسان کو برے برے کاموں پر اکساتا ہے۔

خاور کی باتیں سب کے دل میں اتر گئیں نرم نے اس کی طرف دیکھا گویا یہ سب اس کے دل کی آواز تھی اس نے مزید اضافہ کیا۔

”معلوم ہے نصرت علی خاں کو سن کر بہت سے غیر مسلم مسلمان ہو گئے تھے یقیناً ان کی شاعری اور میوزک میں کوئی طاقت تھی جس نے ان گمراہ لوگوں کو روشنی میں لا کھڑا کیا بس یہ دل کے اندر سے اٹھتا ہوا کوئی جذبہ ہوتا ہے جو آن واحد میں سارے اعصاب کو جکڑ کر اس سے خدائے واحد کا اقرار کروا کر دم لیتا ہے۔“

طارق یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا سچائی اور نیکی کے حسن سے اس کا چہرہ کچھ اور بھی حسین لگ رہا تھا واقعی یہ لڑکی چاہے جانے کے قابل تھی سب خاموش اور اپنے خیالوں میں غلطیاں تھے یاور نے خاموشی کو توڑا۔

”کوئی بات کرو سب کو سانپ سو گتہ گیا ہے۔“ اس نے خوشگوار ماحول پیدا کرنا چاہا۔

”میں تو جا رہی ہوں سونے رات بہت ہو گئی ہے۔“ نرم اٹھ کھڑی ہوئی اس کے بعد طارق بھی سب کو شب بخیر کہتا آگیا وہ سارے بھی اٹھ گئے۔ عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد نرم نے ہیر بند کر دیا طارق فلور کشن پہ بیٹھا اس کے فارغ ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

”میں یہاں سو سکتا ہوں۔“ وہ اسے جائے نماز سے کرتے دیکھ کر بولا۔

”آپ کا کمر ایسے جہاں مرضی سوئیں۔“ وہ اسے طارق کا تیار اور سبھی بھی تو رسلان سے بولی۔

”مرضی مرضی“ مرضی اچھا مذاق ہے یا اختیار ہوتے ہوئے بھی بے بس ہوں اس کے برعکس ایک بے بس لڑکی جس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے با

اختیار ہے ایسا کیوں ہے وہ با اختیار شخص اختیار رکھتے ہوئے بھی کیوں بے اختیار ہے اور وہ لڑکی کیوں اتنی طاقتور ہے جبکہ اس کے پاس ظاہراً کوئی اختیار نہیں ہے تم بتاؤ ناں ایسا کیوں ہے؟“ وہ اس کے نازک سراپے کو نگاہوں میں قید کرتے ہوئے بولا۔

”بھلا مجھے کیا پتہ؟“ وہ واقعی لاعلم تھی۔

”میں بتاؤں وہ کمزور ہے بس اور بے اختیار لڑکی تم ہو صرف تم اور میں با اختیار مرد ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہوں۔“

”بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے ایک با اختیار شخص بے اختیار ہو جائے۔“

”بالکل ایسے ہی جیسے اس وقت ہو رہا ہے تم میرے سامنے بیٹھ کر ہونٹوں کو دانتوں سے کچل رہی ہو اور میں تمہیں روک بھی نہیں سکتا اب بتاؤ میں با اختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار ہوں کہ نہیں۔“

”تو ایسا کیوں ہے آپ با اختیار ہو کر بے بس کیوں ہیں۔“ وہ بے ساختہ کہہ گئی مگر پھر پچھتائی بھی۔

تمہارے معاملے میں خود میرا دل میرے مقابل میں ڈٹ گیا ہے

”کچھ ضروری کام کرنے ہیں اس کے بعد مجھے بالادستی ہوگی۔“ وہ پھر الجھ الجھتی نہ جانے ان باتوں کا کیا مطلب تھا وہ کیا کہنا چاہتا تھا۔

”ذرا اپنا دوشہ تو دینا میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے“ طارق نے اس کے شانے سے دوپٹے کو کھینچا تو وہ اس کی منافقت پہ دل ہی دل میں راکھ ہو گئی۔

”با اختیار ہوتے ہوئے بھی بے اختیار شخص۔“

”سر میں درد ہو رہا ہے تو سر درد کی گولی لیں دوپٹے سے بھی بھی درد ختم ہوا ہے۔“

”میرا ہو جاتا ہے دوپٹے والی نہ سہی اس کا دوپٹہ ہی سہی۔“ وہ اناڑی پن سے دوپٹہ پکڑی کے اشاکل میں سر کے ارد گرد لپیٹتے ہوئے شرارت سے بولا تو وہ نئے دوپٹے کے متوقع حشر پہ فاتحہ پڑھ کر رہ گئی۔

♥ ♥ ♥ ♥

”نرم یار جلدی کرو دیر ہو رہی ہے۔“ وہ چوتھی بار

کمرے میں جھانک کر گیا تھا صبح سے اسے تیار ہونے کا آرڈر ملا ہوا تھا نہ جانے وہ اسے کہاں لے جانا چاہتا تھا اور پھر یار کا طرزِ خطاب بھی معنی خیز تھا۔

”ذرا اٹھو“ میں امی کو بتاؤں۔“ وہ کھسے پاؤں میں ڈالتی رقیہ بیگم کے کمرے کی طرف جانے ہی والی تھی کہ طارق نے اس کا بازو تھام لیا۔

”رہنے دو امی یہاں نہیں ہیں۔“ پھر وہ اسے سوال جواب کی فرمت دیئے بغیر گاڑی تک لے آیا۔ ایک نو تعمیر شدہ بلڈنگ کے آگے بہت سی گاڑیاں کھڑی تھیں اور ان میں اس کے جانے پہچانے چہرے تھے تیار ابو چھوٹے تیار، بچا جان، بڑی امی، امی، نائی، چچی، سارہ،

عمارہ، ثناء، خاور، یاور، اور عفرات بلڈنگ پہ کئی سنہری تختی تھی۔ ”نرم ہاسپتال“ لکھا دیکھ کر اسے سب کی یہاں موجودگی سمجھ آگئی؟ نہ جانے کیا تھا یہ شخص زخم لگا کر

بعد میں پچا ہے رکھتا تھا وہ رونا شروع ہو گئی بڑی اماں نے رن کانٹے کے لیے قینچی اس کے ہاتھ میں تھما لی تو اس نے سوں سوں کرتے ہوئے فیتا کاٹا سب کے ساتھ اس نے بھی گھوم پھر کے ہاسپتال کا جائزہ لیا جدید ترین سہولیات سے آراستہ یہ ہاسپتال اسے خوابوں کی تعبیر لگا۔

”بڑی امی مجھے کسی نے کچھ نہیں بتایا۔“ گھر آتے ہی وہ شروع ہو گئی ”بیٹا وہ اپنے بد صورت رویے کا ازالہ کر رہا تھا جو اس سے تمہارے اغوا سے سرزد ہوا تھا اس نے مجھے سب سے پہلے بتایا کہ اس نے انتقام

میں اندھے ہو کر ایک لڑکی کی زندگی خراب کر دی ہے سب تمہیں اس بدنامی کے اندھے کنوئیں سے نکالنا چاہتے تھے جس میں طارق نے تمہیں پھینکا تھا ہم نے بڑے غر سے تمہیں اپنی عزت بنایا ہے اس پہ ہمیں کوئی ندامت نہیں ہے اور ہاں طارق کے کیسے کی معافی ہم اس کی طرف سے تمہارے گھر والوں سے پہلے ہی مانگ چکے ہیں مگر طارق کو اس کی خبر نہیں ہے۔“

”بڑی اماں۔“ وہ روتے ہوئے ان کے گلے لگ گئی۔

”آپ کتنی اچھی ہیں بلکہ آپ سب اچھے ہیں۔“

”آپ کتنی اچھی ہیں بلکہ آپ سب اچھے ہیں۔“

”آپ کتنی اچھی ہیں بلکہ آپ سب اچھے ہیں۔“

”آپ کتنی اچھی ہیں بلکہ آپ سب اچھے ہیں۔“

”آپ بس کرو میری بیٹی نرم ہم سب سے اچھی ہے ہو سکے تو طارق کو معاف کر دو بیٹا۔“ رقیہ نے اس کے آنسو صاف کیے۔

طارق شکار پر جا رہا تھا۔

اسے اپنی روانگی کی اطلاع دیئے جب وہ آیا تو نرم نے ٹیبل پر رکھا ایک خنجر دیکھنے کو اٹھالیا وہ ناراضگی سے گویا ہوا۔

”اسے بیس رکھ دیں۔“

”کیوں اس میں کون سے ہیرے جڑے ہوئے ہیں اور اس میں غصہ کرنے کی کیا بات ہے۔ ایک خنجر ہی تو اٹھایا ہے۔“

”اس سے بہتر تھا اٹھا کر سینے میں اتار دیتیں۔“ وہ تنہی سے بولا اور ریوالبور کی نال صاف کرنے لگا۔

”اور پھر خود ہی علاج کرتی کیونکہ مفت کا ڈاکٹر آپ کو میسر ہے۔“ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پہ چمکی۔

”وہ بے بہتر نہیں ہے کہ مجھے بھی شکار پہ ساتھ لے جائیں اگر آپ زخمی و زخمی ہو گئے تو ٹریٹ منٹ دوں

دنیا بھر سے منتخب دلچسپ کہانیاں پیش کرتا ہے

دیکھیں تحریریں کا مجموعہ نکلے ذہنوں کا سامان

ہر ماہ کے ۱۵ تاریخ کو شائع ہوتا ہے

عمران ڈائجسٹ

گی۔ وہ کہیں مذاق تو نہیں کر رہی تھی طارق نے نگاہیں اٹھا کر جائزہ لیا ہنسی کو ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
”کیوں کیا اور ڈاکٹر مر گئے ہیں۔“

”مر تو نہیں گئے ہیں مگر میرے جیسا علاج ہر کوئی نہیں کر سکتا۔“ طارق نے ٹیبل پر پڑے اسلئے کو دیکھا اور پھر اسے جوان ہاسٹل وینچر سے زیادہ طاقتور تھی یقیناً وہ اسے تنگ کر رہی تھی زیدی والے معاملے سے بھی وہ آگاہ ہو چکی تھی۔

”ڈاکٹر صاحبہ ہم آپ کی بہادری کے معترف ہیں مگر بات تو اندر آ کر کریں۔“ نرم کی بے خبری سے فائدہ اٹھا کر طارق نے اسے دروازے سے اندر کھینچ لیا۔

”چھوڑیں مجھے بڑی اماں میرا انتظار کر رہی ہوں گی پھر آپ کو شکار پر بھی تو جانا ہے۔“

”بھاڑ میں گیا شکار مجھے آج بڑا غصہ آ رہا تھا اس لیے شکار پر جانے کا پروگرام بنالیا مگر اب کینسل کر دیا ہے اس لیے کہ۔۔۔“ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”کس لیے۔“ نرم نے بے تابی سے پوچھا کیونکہ طارق فی الحال شرافت کے جامے میں ہی تھا۔

”اس لیے کہ میرے سامنے ایک پیاری سی ہرنی کھڑی ہے سوچا آج اسی کا شکار کر ڈالیں۔“

”جی نہیں۔“ وہ واقعی خوفزدہ ہرنی کی مانند ہو گئی۔

”جی ہاں، اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا آج میں باختیار بھی ہوں اور مضبوط بھی آنٹی آنکل کو میں نے ایک ایک بات بتا دی ہے انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے تم بھی کر ڈالو۔“ نرم نے اسے دھکا دیا تو وہ اپنی جھونک میں سیدھا ٹیبل پہ گرا گرنے سے بچنے کے لیے اس نے ٹیبل کو تھامنا چاہا تو چمکدار خنجر ہاتھ میں آگیا بل بھر میں اس کا ہاتھ سرخ سرخ خون سے بھر گیا اچھا خاصا گہرا گھاؤ لگا تھا اسے۔

”یہ تو نے کیا کر دیا ہے نرم“ اس نے خود کو ملامت کی اور طارق کا زخمی ہاتھ تھاما۔

”میں چلیں فرسٹ ایڈ بکس دیں

ہے۔“ وہ بے پناہ شرمندہ تھی۔

”جی شکریہ میں خود ہی کچھ بندوبست کر لوں گا۔“ اس نے ہاتھ چھڑانا چاہا۔

”پلیز طارق۔“ نرم کی آنکھوں میں حسین التجا تھی۔

”میں فرسٹ ایڈ بکس لے آتی ہوں۔“

”میں نے کہا ناں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ جیب سے رومال نکال کر زخم پر باندھ چکا تھا۔

”پلیز طارق زخم بکڑ جائے گا۔“ وہ اس کے بے حد قریب آگئی طارق نے اسی زخمی ہاتھ سے اسے مزید قریب کیا اور بولا۔

”اب سارے زخم بھر گئے ہیں۔“

”طارق بے احتیاطی مت کریں۔“

اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا۔

”ایک تو تم رومینٹک بھی نہیں ہونے دیتیں سوچ رہا ہوں تم سے کیا کہوں مگر مجبوری بھی ہے رومینٹک

لگانے سننے یہ تم نے پابندی لگا دی ہے اب کیسے

رومینٹک جھاڑوں کا تم سے۔“ اس کی پریشانی قابل دید

تھی نرم کو ہنسی آگئی۔

”ٹھیک ہے میں جا رہی ہوں کسی ڈاکٹر سے بینڈج

کروا لیجئے گا۔“

”ڈاکٹروں کو مارو گولی میں نے تو تم سے ہی علاج

کروانا ہے بے شک جتنا مرضی زخمی کر لو مگر علاج اپنے

پیارے پیارے ہاتھوں سے کرنا۔“

طارق نے جانی نرم کا آنچل پکڑا، آنچل کے ساتھ

وہ خود بھی آگئی دونوں سرے جو طارق کے ہاتھ آگئے

تھے جو نہی طارق کا دھیان ہٹا وہ بھاگ کھڑی ہوئی۔

”ٹھیک ہے میں ابھی بینڈج کروا کر آتا ہوں اور پھر

اسی زخمی ہاتھ سمیت تم سے بہت سارے اعترافات

کروں اور کرواؤں گا۔“ طارق نے اسے دھمکی دی

اس کے پیچھے پیچھے وہ بھی اندر آگیا یہاں وہ بڑی اماں

کے پاس فرسٹ ایڈ باکس رکھے سوچ رہی تھی۔

”مجھے اب تم سے نفرت نہیں بلکہ محبت کرنی پڑے

گی کیونکہ تم نے مجھے پھر سے اٹھا کر کھڑا کیا ہے۔“

